جميع الحقوق محفوظة بحق المؤلف

اسم الكتاب: الجرح والتعديل وظوابط التخريج والتحقيق

تاليف: .... فضيلة الشيخ رضآء الله الباجوري

الطبع............................ الاول سنه ١٤٤٦ھ ـــ بمطابق 2025

تنضيد: ابو منقادر ضاء الله بن الحاج خان بادشاه حفظه الله عنه

النّاشر: ..... مدرسة ترتيل القرآن شريف آباد باجوڑ پاکستان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

نحمد ہ ونصلی علی رسولہ الکریم أشهد أن لاالہ الااللہ وأشهد ان محمداعبدہ ورسولہ، أمابعد:

ارشادِباری تعالیٰ ہے:﴿ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴾ (الحجر:۹)

امام بیہقی فرماتے ہیں کہ سنت بھی قرآن کی طرح محفوظ ہے، کیونکہ سنت بھی ذکر میں شامل ہے۔[1]

امام حاکم نیشاپوری فرماتے ہیں کہ اگر اسناد نہ ہوتی اور محدثین کرام ان کو طلب نہ کرتے اور کثرت سے یاد نہ کرتے تو اسلام کی علامتیں مٹ جاتیں، جھوٹی احادیث گھڑلی جاتیں، اسنادِ حدیث کو الٹ پلٹ دیا جاتا اور اس طرح اہلِ بدعت غالب آجاتے، کیونکہ اگر احادیث کو اسناد سے بے نیاز کردیا جائے تو وہ بالکل بے بنیاد ہو کر رہ جائیں گی۔[2]

علمِ رجال یہ ہے کہ سندِ حدیث میں ہر راوی کو پرکھنا، اس کے حالات جاننا اور ائمہ کرام کے اقوال کے مطابق ان پر حکم لگانا۔ یہ تمام امور علم جرح وتعدیل کے ذریعے ہی سے جانے جاسکتے ہیں۔ بری اور اچھی صفات والوں کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے اور انھیں دو اقسام میں تقسیم کیا ہے:

☆ سچا اور جھوٹا

☆مومن اور منافق

[1]مفتاح الجنۃ فی الاحتجاج بالسنۃ ص:۴۳۔۴۴. [2] معرفۃ علوم الحدیث للحاکم ص:۶.

☆پاک دامن اور زانی

☆ جنتی اور جہنمی

☆نیک اور بد یہی علمِ جرح وتعدیل ہے کہ سچے کو سچا کہا جائے اور جھوٹے کو جھوٹا کہا جائے۔ جھوٹے کی بات کی تحقیق فرض ہے اور سچے کی بات فوراقبول کی جاتی ہے۔

کتبِ جرح وتعدیل کا وجود اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے:

فن جرح وتعدیل کی اہم کتب میں رواۃ کی تعداد درج ذیل ہے۔ اس سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس فن کے ذریعے اللہ تعالی نے امت مسلمہ پر کتنا بڑا احسان کیا ہے۔

۱۔ التاریخ الکبیر للبخاری:

13983

۲۔ کتاب الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم:

18038 ۳۔ الطبقات الکبری لابن سعد: 5554

۴۔ العلل للدارقطنی: 4128

۵۔ تہذیب الکمال للمزی: 8634

۶۔ لسان المیزان لابن حجر: 15538

۷۔ کتاب الثقات لابن حبان: 16508

۸۔ تاریخ بغداد: 7831

۹۔ تاریخ دمشق: 9519

سند کا وجود اور اس کی اہمیت پر سلف کے اقوال:

اسناد کی تعریف: یہ "اسند" کا مصدر ہے جس سے مراد اونچی زمین، پہاڑ یا بلندی پر چڑھنا ہے۔

اصطلاحا: متن تک پہنچے کا ذریعہ یا کسی قول کو اس کے قائل تک پہنچانے کو "سند" کہتے ہیں۔

ارشاد باری تعالی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا ﴾ (الحجرات:۶) نیز ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے: لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الغَائِبَ۔[1]

محدثین نے ان پر عمل کرتے ہوئے سند کا سلسلہ قائم کیا ہے۔ ابراہیم نخعی تابعی کہتے ہیں کہ مختار ثقفی کے دور میں سند کے بارے میں تفتیش کا رجحان شروع ہوا۔ اس لیے کہ ان دنوں حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کثرت سے جھوٹ بولا جارہا تھا۔[2] امام عبداللہ بن مبارک نے کہا کہ الاسناد من الدین لولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔سند دین کا حصہ ہے اور اگر سند نہ ہوتی تو جو چاہتا کہہ ڈالتا۔[3]

امام ابن سیرین نے کہا:ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم۔بے شک یہ علم دین کا حصہ ہے تو دیکھ لو تم کس سے اپنا دین حاصل کررہے ہو۔[4]

بے بنیاد روایات کی تعداد:

حافظ ابو یعلی خلیلی نے کہاہے:ان(شیعہ) کی حضرت علی رضی اللہ عنہ اوراہل بیت کی فضیلت میں موضوع روایات کی تعداد تقریبا تین لاکھ ہے۔ حافظ ابن قیم اس تعداد پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ آپ اس تعداد کو بعید از قیاس نہ سمجھیں،اس بارے میں ان کے پاس جتنی روایات ہیں، اگر آپ ان کی تتبع اور جستجو کریں تو معاملہ ایسے ہی پائیں گے۔[5]

[1]بخاری:۶۷. [2] شرح علل الترمذی لابن رجب:۳۶۱-۱. [3] مقدمہ صحیح مسلم:۲۱-۱. [4] مقدمہ صحیح مسلم:۱۱-۱. [5] المنار المنیف ص: ۱۱۶.

تاریخ ہے جو ہم نے اپنے ایک مقالے ”دفاع حدیث کیوں ضروری ہے؟“میں پیش کر دی ہے،اس پر مزید چند فوائد پیش خدمت ہیں۔ صرف صحیح بخاری کو ہی لیں جس دور میں بھی کسی نے اس پر بے بنیاد اعتراض کیے فورا صحیح بخاری کا دفاع کیا گیا، مثلا:

ا:امام دار قطنی نے اگر اعتراض کیے تو حافظ ابن حجر نے ہدی الساری اور فتح الباری میں اور محدث مقبل بن ہادی الیمنی نے ” الالزامات والتتبع “کے حاشیے میں خوب دفاع کیا۔

۲:حافظ ولی الدین ابوزرعہ نے رجالِ صحیح بخاری کے دفاع میں ''البيان والتوضيح لمن اخرج له فى الصحيح وقد مس بضرب من التجريح “کے نام سے مستقل کتاب لکھی، جس میں ۳۵۰ رواۃ کا ذکر کیا۔

۳:علامہ محمد بن اسماعیل بن خلفون نے ”رفع التماری فی من تکلم فیہ من رجال البخاری“ کے نام سے ایک رسالہ لکھا۔

۴:علامہ ابوالولید باجی نے ''التعديل والتجريح لمن خرج عنه البخارى فى الصحيح“کے نام سے ایک ضخیم کتاب لکھی۔

۵:عبدالکریم پٹنی حنفی نے ''الجرح على البخارى “کے نام سے بدنام زمانہ کتاب لکھی تو اس کے رد میں شیخ الاسلام ابوالقاسم بنارسی رحمہ اللہ نے ''الكوثر الجارى فى جواب الجرح على البخارى “لکھ کر بخاری کا دفاع کیا۔ پٹنی نے سات رسالے لکھے تو محدث بنارسی نے بھی اس کے رد پر سات کتب لکھیں۔

٦:اگر حبیب الرحمن کاندھلوی نے ”مذہبی داستانیں“ کے نام سے صحیح بخاری پر اعتراضات کیے تو ہمارے استاد محترم محدث العصر ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے ”احادیث صحیح بخاری ومسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ “لکھ کر دفاع کا حق ادا کیا۔

یہ ایک لمبی داستان ہے جس کے لیے بہت رجسٹر درکار ہیں۔

یہ سب کچھ علمِ جرح وتعدیل ہی کی بدولت ہے۔

تنبیہ: یہ کتاب پڑھ کر کوئی اپنے آپ کو جرح وتعدیل کا ماہر تصور نہ کرے، بلکہ یہ فنِ جرح وتعدیل کے ابتدائی قاعدے کے مترادف ہے۔اس کتاب کو کسی مستند شیخ سے پڑھا جائے اور اس میں بیان کردہ قواعد کی عملی مشق کے لیے سالہا سال کسی محدث کے پاس بیٹھا جائے،تب جا کر اس دقیق فن کی کچھ سمجھ آئے گی اور پھر ساری زندگی اسی فن کی خدمت میں گزاری جائے۔افسوس ان بعض طلبہ پر جو کچھ چیزیں سمجھ آنے کے بعد اپنے آپ کو فن جرح وتعدیل کا ماہر اور استاد تصور کرنا شروع کر دیتے ہیں۔یہ ایک فتنے کی شکل اختیار کر گیا ہے،اللہ تعالیٰ ایسے جاہلوں سے امت مسلمہ کو محفوظ فرمائے۔آمین۔

انا العبدابو عطاءالمنعم رضاءاللہ بن الحاج خان بادشاہ باجوری حفظہ اللہ

4-4-2025

7شوال المکرم1446

تمہید سند کی اہمیت وحیثیت اللہ رب العزت نے اس امت کو جن امتیازات سے نوازا ہے ان میں ایک یہ بھی ہے کہ اس امت نے اللہ تبارک و تعالیٰ اور اللہ کے رسول ﷺ سے جو کچھ پایا ہے ان سب کو سند کے ساتھ محفوظ کیا ہے۔کوئی بات سند کے بغیر نہیں۔یعنی قرآن کریم بھی اور احادیث بھی، ایک ایک حدیث کی سند محفوظ ہے۔ امام ابو حاتم ابن حبان رحمہ اللہ نے المجروحین کے مقدمہ میں اور علامہ مزی رحمہ اللہ نے تہذیب الکمال کے مقدمہ میں ابن قتیبہ رحمہ اللہ سے[1]

اور ابن حزم رحمہ اللہ نے الفصل[2] میں یہ بات فرمائی ہے کہ اس امت کا خاصہ ہے کہ اس میں کوئی بھی بات سند کے بغیر نہیں ہے۔

[1]تہذیب الکمال : ١٧٧/١ مؤسسة الرسالة،عبارت ملاحظہ فرمائیں: [ولیس لامة من الامم إسناد كإسنادهم، يعني هذه الامة، رجل عن رجل وثقة عن ثقة حتى يبلغ بذلك رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عليه وسلم وصحابته فيبين بذلك الصحيح والسقيم، والمتصل والمنقطع، والمدلس والسليم.[[2] الفصل فی الملل والنحل : (٧٠/١)، مؤسسة الرسالة.،عبارت ملاحظہ فرمائیں: [ما نقله الثقة عن الثقة كذلك حتى يبلغ إلى النبي ﷺ يخبر كل واحد منهم باسم الذي أخبره ونسبه وكلهم معروف الحال والعين والعدالة والزمان والمكان على أن أكثر ما جاء هذا المجيء فإنه منقول نقل الكواف إما إلى رسول الله ﷺ من طرق جماعة من الصحابة رضي الله عنهم وإما إلى الصاحب وإما إلى التابع وإما إلى أمام أخذ عن التابع يعرف ذلك من كان من أهل المعرفة بهذا الشأن والحمد لله رب العالمين وهذا نقل خص الله تعالى به المسلمين دون سائر أهل الملل كلها وبناه عندهم غضا جديدا علىقديم الدهور مد أربعمائة عام وخمسين عاما في المشرق والمغرب والجنوب والشمال يرحل في طلبه من لا يحصى عددهم إلا خالقهم إلى الآفاق البعيدة ويواظب على تقييده من كان الناقد قريبا منه قد تولى الله تعالى حفظه عليهم والحمد لله رب العالمين[

سند اور دیگر ادیان:

امت مصطفوی کے علاوہ جتنی امتیں ہیں وہ محسنین کی کوئی سند پیش نہیں کر سکتے،سند پیش کرنا تو کجا،ان کتابوں کی زبانیں بھی نہیں رہیں، جن میں ان کے اقوال موجود تھے۔ان کتابوں کے تراجم مختلف اسلوبوں میں موجود ہیں۔

لیکن وہ کتابیں اصل زبانوں میں آج موجود نہیں ہے۔ بلکہ حیرانی اور تعجب کی بات ہے کہ یورپ میں ایک مسئلہ چل نکلا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا وجود بھی حقیقی تھا یا صرف کردار ہے؟؟[1] کیونکہ بہت سی باتیں عمل و کردار کے اعتبار سے مشہور ہو جاتی ہیں لیکن ان کا وجود نہیں ہوتا۔ اس لئے یورپ میں یہ مسئلہ بھی زیر بحث آرہا ہے۔ وہاں کے محققین اور ناقدین نے آزادی کی فکر کو آزاد کیا، لیکن اس آزادی کی فکر میں اتنے آزاد ہوئے کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی مشکوک بنا دیا کہ وہ واقعتاً اللہ کے نبی تھے، یا صرف قصے کہانیاں ہیں؟؟

بہر حال یہ صرف امت محمدیہ کا خاصہ ہے کہ صرف قرآن مجید ہی نہیں، حدیث بھی، لغت بھی حتی کہ جرح والتعدیل کے اقوال بھی اور یہاں تک کہ حکایات وقصص بھی۔ تاریخ، تفسیر اور حدیث ہی نہیں بلکہ قصے اور کہانیوں کو بھی بغیر سند کے بیان نہیں کیا۔ اس موضوع پر حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ اور خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے کچھ عجیب وغریب کتابیں لکھیں، کتاب البخلاء، کتاب التطفیل، ان کتابوں میں جو قصے ہیں، وہ بھی بغیر سند کے نہیں ہیں۔ محدثین نے سند کا صور ایسے مضبوط طریقے پر ڈالا اور پھونکا ہے، کہ کوئی حکایت بیان کرنے والا بھی اپنی حکایت بغیر سند کے بیان نہیں کرتا۔ یعنی اتنی اہمیت دے دی گئی ہے، اب دیکھئے ابن الجوزی رحمہ اللہ کی کتاب ذم الھوی، کتاب الاذکیاء ، کتاب القصاص ہے، ان میں ہر قصّہ سند کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح ادب ولغت کے بارے میں، اشعار کے بارے میں بھی سند کا اہتمام کیا گیا ہے تو یہ

[1] اسے انٹر نیٹ پر مختلف ویب سائٹ پر دیکھا جا سکتا ہے کہ اس حوالے سے مختلف لوگوں کے اس حوالے سے تبصرہ موجود ہیں۔

اختصاص امت محمدیہ کا ہے کہ سند کا تعلق صرف کتاب وسنت کے ساتھ نہیں ہے بلکہ جتنے معاملات ہیں ان کی حکایت و بیان سند کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔ علامہ مزی رحمہ اللہ نے مقدمہ تہذیب الکمال میں ابن المدینی رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ "التفقہ فی معانی الحدیث نصف العلم و معرفۃ الرجال نصف العلم" "حدیث کے معانی وفقہ کو جاننا نصف علم ہے اور راویوں کو جاننا نصف علم ہے۔"[1] دو ہی چیزیں ہیں، ایک متن اور دوسری سند، متن کے معنی مفہوم کو جاننا اور دوسرا علم سند کا ہے۔ یہاں یہ بھی ایک دلچسپ بات ہے کہ علامہ قسطلانی کی المواھب اللدنیۃ میں انہوں نے سند کی یہی اہمیت بیان کرتے ہوئے ایک عجیب روایت بیان کر دی ہے جیسا کہ بسا اوقات حق بیان کرتے ہوئے غلو بھی آجاتا ہے۔ تو اس میں ایک موضوع روایت ہے: جس میں ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "إذا كتبتم الحديث فاكتبوه باسناد فإن يك حقا كنتم شركاء في الأجر وإن يكن باطلا كان وزره عليه"[2] ہر معاملے میں غلو پایا جاتا ہے جب حقیقت سے تجاوز کیا جائے تو باتونی آدمی ہر فن میں مل جاتے ہیں کہ ایک کذاب (مسعدۃ بن صدقہ[3]) نے ایک روایت علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب کر کے گھڑلی کہ جو بھی حدیث بیان کرو تو سند کے ساتھ بیان کرو اور اگر وہ سند کے ساتھ بیان کرو تو صحیح اجر ملے گا اور اگر غلط ہو گی تو اس کا وزر (بوجھ) بنانے والے پر ہو گا۔

[1]تہذیب الکمال: مقدمہ، ۱/۹ [2] المواھب اللدنیۃ ،حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے موضوع قرار دیا ہے۔ میزان الاعتدال : ترجمة مسعدة بن صدقة ۴/۹۰ ترجمہ نمبر:۸۹۳۸،اسی طرح علامہ البانی a نے اسے موضوع قرار دیا ہے۔ (السلسلۃ الضعیفۃ:۸۲۲([3] امام دارقطنی a نے اسے متروک قرار دیا ہے۔ (میزان الاعتدال : ۴/۹۰ ترجمہ نمبر:۸۹۳۸، لسان المیزان :ترجمہ نمبر: ۷۴۲۴، ۷/۸۱)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس روایت کو اس (مسعدۃ بن صدقہ) کے ترجمے میں موضوع قرار دیا ہے۔ لیکن اس کا معنی یہ نہیں کہ سند کی حیثیت نہیں ہے بلکہ اس روایت کے بارے میں آگاہی مقصود ہے کہ یہ روایت بھی صحیح نہیں ہے۔

سند دین میں سے ہے:

محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

‘‘إن هذا العلم دين، فانظروا عمن تأخذون دينكم ’’[1]

’’یہ دین کا معاملہ ہے اس لئے تم دیکھو کہ تم اپنا دین کس سے لیتے ہو؟؟‘‘ یہی قول ابن عباس، ابوہریرہw، زید بن اسلم، حسن بصری، ابراہیم نخعی، الضحاک بن مزاحم رحمۃ اللہ علیہم سے مروی ہے۔[2]

ضمناً ایک بات کر دوں کہ یہ جو بات انہوں نے فرمائی ہے کہ اسلاف کا محتاط پہلو یہ تھا جیسا کہ مذکور ہوا، لیکن وائے افسوس آج امت اپنا دین کن سے لے رہی ہے؟ نیز جن سے دین لیا جانا چاہئے، ان کے لئے شرائط ہیں؟ لیکن اب معاملہ کیا ہے؟؟ جو نماز تک نہ پڑھے، کبائر کا مرتکب ہو ،برہنہ اور پاکی، پلیدی کا بھی خیال نہ کرے، اس سے دین لے رہے ہیں۔ کجا ہمارے سلف کی فکر اور ایک ہم ہیں کہ کوئی پرواہ نہیں کرتے کہ ہم نے کس سے دین لینا ہے۔

[1]مقدمہ صحیح مسلم مع شرح النووي (۱/۴۴)، دار المعرفة- بيروت،اسی طرح یہ قول سنن الدارمی: ۴۲۳، ۴۲۸، ۴۳۳، المقدمہ، کتاب الادب،المحدث الفاصل بين الراوى والواعى: ۱/۴۱۵)،دار الفكر - بيروت، الضعفاء الكبير للعقيلى: (۱/۷)، دار المكتبة العلمية- بيروت، الجامع لاخلاق الراوى: (۱/۱۲۹)، مكتبة المعارف- الرياض، الفقيہ والمتفقہ: (۲/۱۹۱)، دار ابن الجوزي- السعودية،الكفاية: ۱۹۶ [2] مقدمہ المجروحين لابن حبان : ۱/۲۱،۲۲،۲۳ دارالمعرفۃ،بيروت لبنان

ایک قول ابن مبارک رحمہ اللہ کا ہے:

‘‘ الاسناد عندی من الدين لولا الاسناد لقال من شاء ماشاء’’[1]

’’ میرے نزدیک سند کا معاملہ دین کا معاملہ ہے اگر سند نہ ہو تو جس کے دل میں جو آئے گا وہ بیان کرے گا۔‘‘ یعنی جب اس سے سند مانگی نہ جائے ،اسے یہ معلوم ہو کہ مجھ سے کس نے پوچھنا ہے؟ تو پھر وہ دین کے نام پر جو کچھ بھی کہہ دے گا لوگ اس کے پیچھے چلیں گے۔ اسی لئے کہا کہ یہ دین کا مسئلہ ہے یہ نہ ہو تو جس کا جو دل چاہے کہہ دے گا۔ اسی قسم کا قول خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے ان سے نقل کیا ہے:

‘‘و مثل الذى يطلب امر الدين بلا سند كمثل الذى يرتقى السطح بلا سلم’[2]

یعنی: جو آدمی سند کے بغیر دین لیتا ہے، اس کی مثال ایسے ہے جیسے وہ سیڑھی کے بغیر چھت پر جانے کی کوشش کر رہا ہے۔ یعنی جس طرح سیڑھی کے بغیر چھت پر نہیں جایا جا سکتا، اسی طرح سند کے بغیر نبی ﷺ کے فرمان تک نہیں پہنچا جا سکتا۔ ابو اسحاق ابراہیم بن عیسیٰ الطالقانی فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے کہا اے ابوعبدالرحمن! اس حدیث کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ نیکی کے بعد دوسری نیکی یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ اپنے والدین کے لئے نماز پڑھے اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے لئے روزہ رکھے، ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا:

[1]مقدمه صحيح مسلم مع شرح النووي، (۱/۴۷)، دار المعرفة ، معرفۃ للحاكم: (۱/۴۱)، دار أحياء العلوم، الكفاية:۲/۴۵۳، باب ذكر ما احتج به من ذهب الى قبول المراسيل و ايجاب العمل بها والرد عليه [2] الكفاية:۲/۴۵۲ باب ذكر ما احتج به من ذهب الى قبول المراسيل و ايجاب العمل بها والرد عليه

[عَمَّنْ هَذَا؟] کہ یہ حدیث کس کی روایت کردہ ہے؟ میں نے کہا کہ یہ حدیث شہاب بن خراش سے مروی ہے۔ انہوں (ابن مبارک رحمہ اللہ) نے کہا کہ وہ تو ثقہ ہے، پھر انہوں نے کہا: [عَمَّنْ] انہوں نے کس سے روایت کی ہے؟ میں نے کہا: حجاج بن دینار سے۔ انہوں نے فرمایا: وہ بھی

ثقہ ہے۔ پھر انہوں نے فرمایا:[عمَّن] اس نے کس سے روایت کی ہے ؟میں نے کہا: وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ابن مبارک رحمہ اللہ نے فرمایا:

[يا أبا إسحاق، إن بين الحجاج بن دينار وبين النبي ﷺ مفاوز تنقطع فيها أعناق المطي]

" اے ابو اسحاق! حجاج(جو تبع تابعی ہیں) اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان تو اتنا طویل زمانہ ہے جس کو طے کرنے کے لئے اونٹوں کی گردنیں تھک جائیں گی،(تو اس درمیان کے طویل زمانے کو کون پاٹے گا؟)'[1]

اب دیکھیں! ابن مبارک رحمہ اللہ نے اس روایت کا رد سند کے ذریعے سے کیا۔ ابو اسحق، شہاب اور حجاج بن دینار ثقہ تھے، لیکن ان کی بات کو سند کے نہ ہونے کی وجہ سے قبول نہیں کیا، یہی بات انہوں نے اپنے قول میں کہی کہ یہ سند نہ ہوتی تو جس کا جو دل چاہتا کہہ دیتا، تو یہ سند کا اہتمام ہے، اور اس امت کا اختصاص ہے۔ پھر سند کے حوالے سے صرف یہ اہتمام نہیں ہے کہ بس نام آگیا ہے اور کافی ہے، مثلاً زہری، یحی بن سعید وغیرہ کا نام آگیا ہے، صرف نام کی حد تک اہتمام نہیں، بلکہ ان رواۃ کے بارے میں تفصیلی تراجم موجود ہیں کہ کب پیدا ہوئے؟ کہاں کہاں علمی سفر کئے؟ کہاں پڑھا؟ کس حالت میں کس استاد سے علمی سماع کیا؟ جوانی میں حفظ وضبط کیسا تھا؟ اور بڑھاپے میں متاثر ہوا یا نہیں؟ اور کب فوت ہوا؟ یعنی ان کی زندگی کا بائیو ڈیٹا(Bio Data) کہ اس کی زندگی کے ضروری حصص بھی محفوظ ہوگئے۔ یوں کہنا چاہئے کہ ان محدثین اور رواۃ نے نبی ﷺ کی احادیث مبارکہ کو ہی محفوظ نہیں کیا بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ان کی اس محنت کے نتیجے میں ان کی زندگیوں کو بھی محفوظ کردیا۔

[1]یعنی یہ حدیث منقطع ہے کیونکہ حجاج بن دینار تبع تابعی ہے۔مقدمہ مسلم: (۱/۴۹)، دار المعرفة- بیروت

پہلا باب: جرح وتعدیل کے اصول

جرح کے لغوی معنی: زخم لگانا ہے۔[1]

اصطلاحی تعریف: راویوں کو ایسی صفت سے متصف کرنے کو جرح کہا جاتا ہے جس سے ان کی روایت ضعیف یا مردود ہو جانے کی وجہ سے غیر مقبول قرار دی جاتی ہے۔

تعدیل کے لغوی معنی: کسی چیز کو درست کرنا۔[2]

اصطلاحی تعریف: راوی کو کسی ایسی صفت سے متصف کرنے کو تعدیل کہتے ہیں جس سے اس کی روایت قابلِ قبول بن جاتی ہو۔ فنِ جرح و تعدیل: ایسے فن کو کہا جاتا ہے جس میں رواۃِ حدیث پر بحیثیت قبول ورد، مخصوص الفاظ کے ذریعے کلام کی جائے اور ان الفاظ کے مراتب پر بحث کی جائے۔[3]

جرح کا شرعی حکم: حسبِ ضرورت اس کا جواز تھا جب سندِ حدیث کی رواۃ پر تحقیق مطلوب تھی، محدثین نے ایمان داری کے ساتھ رواۃِ حدیث پر حکم لگائے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَيَّنُوا۔ کس قدر واضح آیت ہے کہ فاسق، غیر معتبر

راوی کے فسق کو بیان کیا جائے تا کہ کوئی اس کی بیان کی ہوئی بات سے دھوکا نہ کھائے۔ امام مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: محدثین عظام نے عظیم خطرات کے پیش نظر راویوں پر کلام کرنے کی اجازت دی ہے، اس لیے کہ حلال وحرام کی معرفت کا دارومدار انہیں پر موقوف ہے۔[4]

امام یحیی بن سعید القطان سے جب کسی نے یہ سوال کیا کہ آپ کو اس کا خوف نہیں کہ

[1]لسان العرب:۴۲۲-۲. [2] الصحاح:۱۷۶۱-۵. [3] الحطۃ فی ذکر صحاح السنۃ ص:۸۹. [4] صحیح مسلم مع شرح نووی:۱۲۳-۱

. قیامت کے دن یہ لوگ (جن پر آپ نے جرح کی ہے) آپ کے مدمقابل ہوں گے؟ انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ میرے مدمقابل ہوں، یہ کہیں زیادہ بہتر ہے اس سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن میرے مقابل بحیثیت مدعی ہوں اورآپ فرمائیں کہ جب میرے اوپر جھوٹ گڑھا جارہا تھا اس وقت تم نے میرا دفاع کیوں نہیں کیا؟[1]

جرح وتعدیل کی اہمیت:

جرح وتعدیل کا تعلق سند کے ساتھ ہے۔ کچھ اقوال سند کی اہمیت پر ملاحظہ فرمائیں۔ صغار تابعین کے دور میں سند بیان نہ کرنا بہت بڑا جرم تھا۔ ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں: عتبہ بن حکیم کہتے ہیں کہ میں ابن ابی فروہ کے پاس تھا اور وہاں ابنِ شہاب زہری بھی موجود تھے، ابن ابی فروہ نے سند بیان کیے بغیر کہا: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! امام زہری نے کہا: اللہ تجھے برباد کرے تو دین کے معاملے میں کتنا جری ہو گیا ہے، اپنی حدیث کی سند ہی بیان نہیں کرتا؟ ہمیں بغیر باگوں اور رسیوں (سند) کے حدیث بیان کر رہا ہے۔[2]

امام عبداللہ بن مبارک نے کہا: الاسناد من الدين لو لا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔

جرح کرنا غیبت نہیں:

غیبت کے حرام ہونے میں کوئی شک نہیں، لیکن یہ مسئلہ سمجھنے والا ہے کہ آیا رواۃِ حدیث پر محدثین، جو حقیقت میں اللہ کے ولی لوگ تھے کلام کرکے ساری عمر غیبت ہی کرتے رہے؟ نہیں ایسی بات نہیں ہے، بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے اس بات کا علم ہوا ہے کہ غیبت حرام ہے اس وقت سے میں نے کسی کی غیبت نہیں کی۔ رواۃِ حدیث پر جرح کا تعلق غیبت سے نہیں بلکہ ایک امر مستحسن تھا جس کی محدثین نے بروقت بجا آوری فرما کر دفاعِ حدیث کا بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا۔ اگر کذاب، دجال، زندیق، متروک، فاسق وفاجر اور غافل لوگوں کی نشان دہی نہ ہوتی تو دینِ اسلام بے کار ثابت ہوتا۔ سچ اور جھوٹ کی تمیز نہ

[1]تدریب الراوی۳۶۹-۲. [2] معرفۃ علوم الحدیث ص11۔

رہتی۔ امام ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری کیا خوب فرماتے ہیں کہ اگر اسناد نہ ہوتی اور محدثین کرام ان کو طلب نہ کرتے اور کثرت سے ذکر نہ کرتے تو اسلام کی علامتیں مٹ جاتیں، جھوٹی احادیث گھڑلی جاتیں، اسناد حدیث کو الٹ پلٹ دیا جاتا اور اس طرح اہل بدعت غالب آجاتے، کیونکہ اگر احادیث کو اسناد سے بے نیاز کر دیا جائے تو وہ بالکل بے بنیاد ہو کر رہ جائیں گی۔[1]

رواۃِ حدیث پر کلام اس لیے کیا جاتا ہے تاکہ صحیح احادیث کو ضعیف سے ممتاز کیا جائے۔ کیا کوئی چاہتا ہے کہ کوئی ظالم، دین کا دشمن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط باتیں منسوب کرے اور ہم اسے کچھ بھی نہ کہیں؟ کوئی ہمارے باپ کی طرف غلط منسوب کرے ہم اس کا ایکشن لیتے ہیں تب یہ نہیں کہتے کہ غیبت حرام ہے، جانے دو، پھر کیا ہوا؟ ہماری ان گزارشات سے معلوم ہوا کہ رواۃِ حدیث پر جرح غیبت نہیں ہے بلکہ نکمے لوگوں کو ننگا کرنا فرض ہے تاکہ دین محفوظ رہے۔ امام احمد بن حنبل درس حدیث دے رہے تھے اور اس میں رواۃ پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے بات کر رہے تھے تو ایک آدمی ابوتراب نخشبی کہنے لگا:'' اتق الله ولا تغتب''اللہ سے ڈرو اور غیبت نہ کرو۔ امام احمد کے بیٹے عبداللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا:''ویحک هذا نصيحة ولا غيبة ''افسوس ہے تجھ پر یہ نصیحت ہے نہ کہ غیبت۔[2]

جب امام یحیی بن سعید القطان رحمہ اللہ کے بارے میں اہل بصرہ نے جب تبصرہ کیا کہ آدمی تو بہت اچھے ہیں لیکن یہ جو راویوں پر کرتے ہیں یہ کام اچھا نہیں تو انہوں نے فرمایا: مجھے یہ بات گوارہ ہے کہ قیامت کے دن پوچھا جائے کہ تم نے اس کے بارے میں یہ نقد کیوں کیا ہے؟ لیکن یہ سوال گوارا نہیں ہے کہ اللہ تعالی پوچھے کہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بات بیان

[1] معرفة علوم الحديث للحاكم ص:۶. [2] طبقات الحنابلہ لابن ابی یعلی:۱۸۳-۲.

کرنے والے نے بات بیان کی اور وہ آدمی قابل اعتبار نہیں تھا اور تم خاموش رہے مجھے اس سوال سے ڈر لگتا ہے کہ اس کا میں کیا جواب دوں گا؟[1]

موجودہ علماء پر جرح کرنا جائز نہیں:

جرح نہ صحابہ کرام پر چلتی ہے اور نہ موجودہ علماء ہی پر۔ صحابہ تمام ثقہ تھے۔ موجودہ علماء پر جرح کرنا فضول کام ہے۔ تمام احادیث کی سندیں کتب میں موجود ہیں، جو حدیث صحیح ہے وہ صحیح ہے موجودہ کسی کم علم اور جاہل مولوی کے بیان کرنے سے وہ ضعیف نہیں ہوگی اور جو روایت ضعیف ہے وہ کسی موجودہ ثقہ محدث کے بیان کرنے سے صحیح نہیں ہوگی۔ جب اسناد کا سلسلہ جاری تھا اور تدوین حدیث کا دور تھا اس وقت رواۃ کی چھان پھٹک ایک مجبوری تھا، اس وقت جرح کی گئی اب اس کی اجازت نہیں ہے۔

مجھے یہ بات برادرم عمر فاروق قدوسی صاحب نے بتائی کہ ایک دفعہ دو علماء اکٹھے ہوئے تو ایک صاحب نے کہا کہ آپ میرے نزدیک ضعیف ہیں، دلیل یہ دی کہ تم غلط واقعات اپنی کتب میں لکھ جاتے ہیں۔ تو دوسرے صاحب نے کہا کہ تم بھی میرے نزدیک ضعیف ہو، کیونکہ آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ اپنے حالات لکھ کر مجھے بھیجو گے لیکن آپ نے نہیں بھیجے، لہذا آپ بھی ضعیف ثابت ہوئے!!!

تنبیہ: یہ کوئی عقل مندی نہیں ہے کہ انسان جو جی میں آئے لکھتا رہے، بلکہ کسی بھی فن میں لکھنے سے پہلے اپنے دور کے موجودہ محدثین سے مشورہ کرے اگر وہ اس کام کی تحسین کریں پھر استخارہ کرے پھر لکھے۔ یاد رہے کہ لکھنا بھی عمل ہے اس کا روز قیامت حساب ہوگا۔ سوچ سمجھ کر لکھنا چاہیے تاکہ دنیا و آخرت میں سرخرو ہو سکیں۔ اعتراض: بعض شیوخ طلبہ کو اجازۃ الروایۃ دیتے ہیں، یہ پھر کیوں دی جاتی ہے؟ جواب: یہ باعث اعزاز دی جاتی ہے جس سے طلبہ کی نسبت محدثین کے ساتھ ملانا مقصود ہوتا ہے، اس اجازۃ الروایۃ کا حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے میں کچھ کردار نہیں ہو سکتا۔

[1]شرح العلل لابن رجب:۴۶۶-۱.

مثلا ایک فاسق وفاجر استاد طلبہ کو صحیح بخاری کی اجازۃ الروایۃ دے تو کیا اس کی وجہ سے صحیح بخاری کی احادیث ضعیف ہوں گی؟ یا اگر کوئی موجودہ بہت بڑا محدث سنن ابن ماجہ کی اجازت دے تو کیا اس کی اجازت کی سند کی وجہ سے اس کتاب کی ضعیف اور جھوٹی روایات صحیح ہو جائیں گے ؟؟ نہیں ہر گز نہیں۔ موجودہ علماء پر جرح کرنا ایک عبث اور بے کار کام ہے۔ جرح کرنے والا دوسروں کے عیوب کو چاک کر رہا ہے، حالانکہ ہمیں "من ستر مسلماسترہ اللہ" کا حکم ہے۔ محدثین بھی اس پر عمل پیرا تھے لیکن جب کوئی ضعیف یا کذاب راوی جھوٹی اور بے بنیاد روایات بیان کرتا تھا تو اس پر فوراجرح کرتے تھے اور لوگوں کو اس سے متنبہ کرتے تھے۔ اعتراض: مرزا قادیانی پر تمام علماء نے جرح کی اور اس کو کافر قرار دیا، یہ کیوں ہوا؟ جبکہ معلوم ہے کہ مرزا قادیانی کسی حدیث کا راوی بھی نہیں؟ جواب: مرزا قادیانی کے نظریات کفریہ تھے وہ اپنے آپ کو نبی کہہ رہا تھا اس طرح کے خبیث اور گمراہ لوگوں کے عقائد و نظریات سے لوگوں کو واقف کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ لوگ اس کے خطرناک نظریات سے محفوظ رہیں۔ اس میں دین کا دفاع ہے اور مسلمانوں کے اسلام و ایمان کی حفاظت ہے۔ اعتراض: موجودہ اگر کوئی بڑا عالم ہو تو آپ کہتے ہیں کہ بہت بڑا محدث ہے، پھر آپ یہ کیوں کہتے ہیں؟ جواب: اگر کوئی واقعی محدث ہو تو اس کو محدث کہنے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس کو محدث کہنے سے کسی سند پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا کیونکہ وہ کسی روایت کا راوی نہیں۔

شروطِ جارح ومعدل:

جرح وتعدیل ہر کسی کے بس کی بات نہیں اور نہ ہی ہر کسی کو اجازت ہے۔ جرح وتعدیل کے ماہر میں درج ذیل شروط کا پایا جانا ضروری ہے:

۱: وہ متقی، دیانت دار، سچا اور تعصب و تنگ نظری سے پاک ہو۔

۲: اسبابِ جرح وتعدیل سے بخوبی واقف ہو۔

۳: عربی زبان کا ماہر ہو، تاکہ علماء کے اقوال کو اچھی طرح سمجھ سکے۔

جرح وتعدیل میں تعارض اور اس کا حل

۱: جس راوی کی توثیق پر تمام محدثین کا اتفاق ہو وہ ثقہ ہے۔

۲: جس راوی کے ضعیف ہونے پر تمام محدثین کا اتفاق ہو وہ ضعیف ہے۔ جس راوی کو بعض نے ثقہ کہا اور بعض نے ضعیف کہا، وہ مختلف فیہ راوی ہے اس میں راجح معلوم کرنے کے لیے ہمیں درج ذیل باتوں کو مد نظر رکھنا ہوگا:

۱: جرح مفسر ہمیشہ تعدیل مبہم پر مقدم ہوگی، کیونکہ جرح کرنے والے کے پاس دلیل موجود ہے۔ جرح مفسر کے الفاظ درج ذیل ہیں: صدوق یھم، سیء الحفظ، فاحش الغلط، منکر الحدیث، مضطرب الحدیث، متروک۔

۲: تعدیل مفسر ہمیشہ جرح مبہم پر مقدم ہوگی۔

۳:اگر جرح مفسر اور تعدیل بھی مفسر یا جرح مبہم اور تعدیل بھی مبہم ہو تو ان دونوں صورتوں میں جرح مقدم ہوگی۔

۴:ائمہ جرح وتعدیل دیکھے جائیں کہ جرح کرنے والے متشدد تو نہیں اور توثیق کرنے والے متساہل ہیں یا معتدل۔ متشدد کی توثیق بہت اہمیت رکھتی ہے اور متشدد کی جرح دوسرے محدثین کے اقوال دیکھے بغیر نہیں لینی چاہیے۔ متساہل کی توثیق سے دور رہنا چاہیے۔

تنبیہ: بعض لوگوں کا قول" جس پر اختلاف ہو اور تطبیق و توفیق ممکن نہ ہو تو ہمیشہ محدثین کی اکثریت کو ترجیح دی جاتی ہے "یہ بات درست نہیں ہے۔ اگر کسی راوی پر ایک ہی امام کے اقوال میں تعارض ہو مثلاً ایک ہی راوی کو ایک محدث نے ثقہ کہا اور اسی محدث نے انھیں ضعیف بھی کہا تو اس صورت میں بعد والا قول لیا جائے گا۔ اگر تاریخ کے ذریعے بعد والے قول کا تعین ہو جائے تو پہلے قول کو منسوخ اور دوسرے کو ناسخ سمجھا جائے گا۔[1]

لیکن اگر تاریخ کا تعین نہ ہو سکے اور یہ تعین بھی نہ ہو کہ پہلے والا قول کونسا ہے؟ تو پھر درج ذیل قواعد پر عمل کیا جائے گا:

پہلا قاعدہ: دونوں اقوال پر غور کر کے جمع و تطبیق دی جائے گی، مثلاً ضعف کی قسموں پر غور کریں گے کہ وہ ضعف نسبی ہے یا مطلق؟

دوسرا قاعدہ: اگر دونوں اقوال میں تطبیق ممکن نہ ہو تو قرائن کی بنیاد پر ایک قول کو دوسرے پر ترجیح دی جائے گا۔ قرائن کی مختلف قسمیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ ان دونوں اقوال میں اس قول کو لیا جائے گا جس کو نقل کرنے والا اپنے شیخ کے ساتھ زیادہ عرصہ رہا ہے مثلاً عباس الدوری نے امام ابن معین کے ساتھ بہت لمبا وقت گزارا۔ یا زیادہ معتبر راوی کے قول کو لیا جائے گا۔

تیسرا قاعدہ: تعدیل کو ترجیح دی جائے گی اور جرح کو کسی مخصوص امر پر محمول کیا جائے گا۔

چوتھا قاعدہ: بسا اوقات ثقہ سے مراد تعدیل کی گواہی ہوتی ہے کہ یہ راوی کذاب یا متہم نہیں ہے اور ضعیف سے مراد ضبط ہوتا ہے یعنی اس کا ضبط درست نہیں ہے۔[1]

سوال: متشدد ضعیف کہے اور متساہل ثقہ تو کس کی بات لی جائے گی؟

جواب: متشدد کے مقابلے میں متساہل ہو تو متشدد کی بات لی جائے گی۔[2]

سوال: کیا متشددین، معتدلیل اور متساہلین کی درجہ بندی قبول کی جائے گی؟

جواب: جی ہاں۔ جو اس درجہ بندی کا اعتبار نہیں کرتا وہ بہت بڑی غلطی پر ہے۔

سوال: متشدد کسی کو کہے ثقہ اور معتدل کہے ضعیف تو؟

جواب: اس موقع پر حافظ ابن حجر راوی کو صدوق کہتے ہیں۔[3]

سوال: جرح مفسر کیا ہمیشہ مقدم ہو گی؟

جواب: جی ہاں، کیونکہ جارح کے پاس اضافی علم ہوتا ہے۔[1]

مراتب جرح وتعدیل:

ہر دور میں جرح وتعدیل کے مراتب مقرر کیے گئے ہیں۔ حافظ ابن حجر نے انہیں تقریب التھذیب (ص:۹۔۱۰) کے مقدمے میں احسن طریقے سے بیان کیے ہیں وہ بعض مزید فوائد کے ساتھ درج ذیل ہیں۔ تعدیل کے چھے مراتب ہیں جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ اوثق الناس: توثیقِ راوی کے لیے ایسے لفظ کا استعمال جو انتہائی اعلی ہو یا افعل التفضیل ہو، یعنی افعل کے وزن پر وہ لفظ آئے جیسے اوثق الناس۔ لوگوں میں سے سب سے زیادہ ثقہ انسان۔ اضبط الناس: سب سے زیادہ ضابط، فلان الیہ المنتھی فی التثبت۔ فلاں راوی پر ثقاہت ختم ہے۔ یہ الفاظ راوی کی تعدیل کے اعلی معیار کی دلیل ہیں۔ ان سے ملتے جلتے یہ الفاظ بھی ہیں۔ فلان لا یسأل عنہ۔ فلاں کے بارے میں پوچھا ہی نہیں جاسکتا یا فلان لایسأل عن مثلہ۔ فلاں جیسے کے بارے میں پوچھا نہیں جاسکتا۔

۲۔ ثقہ ثقہ: توثیق کے الفاظ کو دوبار کہنا مزید توثیق کے لیے جیسے: ثقۃ ثقۃ یا ثقۃ ثبت۔

۳۔ ثقہ، حجۃ: ایسا توثیقی لفظ جو عدالت وضبط دونوں کی گواہی دے رہا ہو مگر اس میں تاکید نہ ہو جیسے ثقہ یا حجۃ وغیرہ۔ امام ابن معین اگر کسی راوی کے بارے میں لا بأس بہ کہیں تو طے شدہ امر ہے کہ وہ ان کے نزدیک ثقہ ہے۔

۴: صدوق: ایسے الفاظ جو راوی کی تعدیل تو کریں لیکن اس کے مکمل ضبط کی شہادت نہ دیں۔ جیسے صدوق، مامون، لا بأس بہ، صدوق ان شاء اللہ یا محلہ الصدق وغیرہ۔ اس کی حدیث حسن کہلاتی ہے۔ ایسے راوی کا ضبط کچھ خفیف ہوتا ہے۔

[1] اتحاف النبیل: ۲۵۲-۱-۲۵۳.

۵۔ فلان شیخ: ایسے الفاظ جس میں راوی کی توثیق معلوم ہو نہ تجریح۔ جیسے فلان شیخ یا روی عنہ الناس۔ ان دو (۴،۵) مرتبے کے راویوں کو بطور اعتبار لیا جاتا ہے۔

۶۔ صالح الحدیث: وہ لفظ جو تعدیل کی بجائے جرح کے قریب ہونے کا معنی محسوس کرائے جیسے: صالح الحدیث، یا یکتب حدیث یا صویلح۔

یکتب حدیثہ کے الفاظ توثیق میں شمار ہوتے ہیں۔[1]

جرح کے بھی چھے مراتب ہیں جن کے الفاظ کی ترتیب درج ذیل ہے:

١۔فیہ مقال: ایسے الفاظ جرح جن میں نرمی ہو، یہ ضعف کی انتہائی ہلکی مگر تعدیل کے قرب کی صورت ہے جیسے:فیہ مقال۔اس میں کلام ہے۔یا فلان لین الحدیث۔فلاں حدیث میں نرم ہے۔یا غیرہ اوثق منہ۔دوسرا اس سے زیادہ ثقہ ہے۔متابعت یا شاہد میں اسے تسلیم کیا جاتا ہے اگر منفرد ہو تو پھر نہیں۔تنبیہ: بعض "لین الحدیث" کا معنی کرتے ہیں کہ" حدیث میں وہ ضعیف ہے" حالانکہ اصطلاحا لین الحدیث کے یہ معنی قطعا نہیں۔حافظ ابن حجر نے تقریب التہذیب کے مقدمہ میں الفاظِ جرح و تعدیل کے مراتب بیان کرتے ہوئے لین الحدیث کو چھٹے اور ضعیف کو آٹھویں مرتبے میں ذکر کیا ہے۔حافظ ابن حجر کی یہ تفریق خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے نزدیک لین الحدیث راوی ضعیف کے مرتبہ کا نہیں ہوتا۔[2]

٢۔فلان لایکتب حدیث: ایسے الفاظ جو راوی کی عدم کتابتِ حدیث کی صراحت کریں جیسے:فلان لایکتب حدیثہ۔فلان سے حدیث نہیں لکھی جاتی۔یا لا تحل الروایۃ عنہ۔فلان سے روایت جائز نہیں۔یا واہ بمرۃ۔وہ تو بہت ہی واہی ہے۔

[1]توضیح الکلام ص:٢١٩. [2] نیز دیکھیں(الجرح و التعدیل:٣٧-١،میزان الاعتدال:٣-١،مولانا سرفراز صفدر اپنی کتب کے آئینے میں ص:٣٧-٣٨)

٣:ردوا حدیثہ:ایسے الفاظ جن میں راوی کے ناقابل حجت ہونے کی صراحت ہو یا اس سے ملتے جلتے الفاظ ہوں جن سے راوی کا شدید ضعف سامنے آتا ہو۔جیسے ردوا حدیثہ۔اس کی حدیث علماء نے رد کر دی۔ضعیف جدا:بہت ہی ضعیف۔یا لہ مناکیر۔اس کی کئی ایک منکر روایات ہیں۔

٤:متہم بالکذب: وہ الفاظ جن کے ذریعے علمائے نقد نے راوی پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا جیسے:متہم بالکذب:جھوٹ میں وہ متہم ہے۔اتہموہ:اسے علماء نے متہم کہا ہے۔یسرق الحدیث:وہ حدیث چوری کرتا ہے۔یا ساقط الحدیث، متروک، لیس بثقۃ وغیرہ۔

٥:کذاب: ایسے الفاظ جو راوی کے جھوٹا ہونے کو مبالغے کی حد تک بتاتے ہوں جیسے:کذاب۔بہت ہی زیادہ جھوٹا،وضاع،بہت ہی زیادہ گھڑنے والا۔یضع الحدیث:وہ حدیث گھڑتا ہے۔یا دجال:سب سے زیادہ دھوکہ دینے والا۔

٦۔أکذب الناس: وہ الفاظ جو راوی کے عادۃ جھوٹا ہونے کے بارے میں آگاہ کریں۔یہ جرح کی انتہائی اعلی قسم ہے جیسے:أکذب الناس:لوگوں میں سے سب سے زیادہ جھوٹا۔رکن الکذب:جھوٹ کا ستون۔یا الیہ المنتہی فی الکذب۔جھوٹ کی انتہا اس تک ہے۔
معمولی جرح: جس ثقہ یا صدوق راوی پر معمولی جرح یعنی " یہم،لہ اوھام،یخطیء "وغیرہ ہو تو اس کی منفرد حدیث حسن ہوتی ہے بشرطیکہ ثقات کے مخالف نہ ہو۔جو کثیر الغلط، کثیر الاوھام، کثیر الخطا اور سیء الحفظ وغیرہ ہو اس کی منفرد حدیث ضعیف ہوتی ہے۔
ثبت بسکون الباء اور ثبت بفتح الباء میں فرق: بسکون الباء سے مراد وہ لقب ہے جو تعدیل کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔دل،زبان اور کتاب کو محفوظ رکھنے والے شخص کو ثبت کہتے ہیں اور بفتح الباء سے مراد وہ کتاب ہے س جس میں محدث اپنی روایات اور اپنے ساتھ ننے والے راوی کے نام محفوظ رکھتا ہے۔[1] اَثبت سے مراد: ثبت الحفظ اور ثبت الضبط دونوں مراد ہیں، جس طرح امام ابن معین نے کہا ہے۔[2]

ثقہ سے بھی یہی عادل اور ضبط دونوں مراد ہیں۔مقبول رواۃ کا سب سے اعلی مرتبہ یہی ہے۔جس طرح ابن الصلاح نے کہا۔

[3] لفظ رضا بھی ثقہ اور عدل کے قائم مقام ہے۔ الجرح والتعدیل میں بہت زیادہ یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔ بعض لفظ رضا کو رضیا لکھتے ہیں جو کہ غلط ہے۔ لہ اوہام ثقہ کا مرتبہ نہیں گراتا۔

ثقہ ان شاء اللہ: سے مراد کہ محدث اس راوی کو اچھی طرح نہیں جانتا یا اس کو اس کی توثیق میں شک ہے۔[4]

متروک الحدیث: اس سے مراد وہ راوی ہے جو متہم بالکذب ہو، جس کے غلطیاں زیادہ ہوں، جیسا کہ امام شعبہ نے کہا ہے۔[5]

ترکہ فلان: یعنی محدث نے اس سے لکھنا چھوڑ دیا تھا۔ یہاں اصطلاحی متروک مراد لینا درست نہیں ہے۔ متروک اور متروک الحدیث ایک ہی ہیں۔ دجال، وضاع، کذاب، یضع الحدیث سخت ترین جرح ہے۔ لیس بشیء: کسی کی مذمت میں مجاز اور مبالغہ مراد ہوتا ہے جس طرح ابن حجر نے کہا ہے۔[6] اس کی بات صحیح نہیں ہے کہ اس پر اعتماد کیا جائے جس طرح خطابی نے کہا[7] بعض دفعہ لیس بشیء سے مراد ہوتی ہے کہ وہ حق پر نہیں ہے، جیسا کہ امام بخاری نے صحیح البخاری

[1]شرح الالفیۃ:۱۵۷. [2] تھذیب التھذیب:۲۶۰-۵. [3] مقدمہ ابن الصلاح ص:۱۱۴. [4] لسان المیزان:۲۷-۴. [5] شرح الالفیۃ للسخاوی ص۱۶۰-۱۶۱. [6] فتح الباری:۲۴۰-۱۳-۲۴۱- [7] فتح الباری:۴۹۱-۱۰.

(قبل ح:۵۸۵۹) میں کہا ہے۔ یعرف وینکر سے مراد ہے کہ کبھی وہ صحیح احادیث بیان کرتا ہے کبھی ضعیف بیان کرتا ہے۔ لا یحتج بہ: ایسے راوی کو کہا جاتا ہے جب اس کی احادیث میں کثرت سے غلطیاں واقع ہوں اس کے حافظے اور ضبط کے خراب ہونے کی وجہ سے۔ امام ابن ابی حاتم نے اپنے والد سے پوچھا کہ لا یحتج بہ سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے کہا: کچھ ایسے راوی تھے جو احادیث یاد نہیں کرتے تھے اور جن احادیث کو یاد نہیں کرتے تھے انھیں بیان کرتے تھے اور غلطیاں کرتے تھے۔ آپ جب چاہیں ان کی احادیث میں اضطراب دیکھ سکتے ہیں۔[1] اس پر امام ابن تیمیہ نے تنقید کی اور کہا کہ امام ابن معین چونکہ بہت سخت ہیں، اس لیے انہوں نے یہ الفاظ تو صحیح بخاری کے رواۃ پر بھی استعمال کیے ہیں۔ (۲۴/۳۴۹، ۳۵۰) یہ سچ ہے کہ ابو حاتم کم ہی لوگوں کی تعریف کرتے تھے۔

شیخ: نہ جرح ہے نہ تعدیل جس طرح ذہبی نے کہا۔[2] ابن قطان نے شیخ سے مراد لیا ہے کہ وہ اہل علم نہیں تھے بلکہ صاحبِ روایت تھے۔[3] امام ابو حاتم نے ایک راوی کے بارے میں کہا: شیخ لیس بمتقن۔ اور احمد بن حنبل نے ایک راوی کو شیخ کہا اور اس کو کمزور بھی کہا۔[4]

[1]الجرح والتعدیل:۱۳۳-۱. [2] میزان:۱۹-۲. [3] کذا فی نصب الرایہ:۲۳۳-۴. [4] ترتیب المدارک لقاضی عیاض:۱۷-۳.

کیا راوی پر جرح کرنا غیبت کے زمرے میں آتا ہے؟

بعض نیک حضرات نے یہاں تک کہا کہ یہ محدثین کا جرح کرنا غیبت ہے، یہ نہیں ہونی چاہئے۔ امام ابن ابی یعلی رحمہ اللہ نے طبقات حنابلہ میں ذکر کیا ہے کہ امام احمد رحمہ اللہ کے پاس ابو تراب نخشبی[2] آئے اور امام صاحب کی مجلس میں بیٹھ گئے اور ان کی مجلس میں احادیث کا ذکر ہو رہا تھا اور امام صاحب حدیث کے راویوں پر نقد و جرح بھی کر رہے تھے، کہ یہ ثقہ ہے اور یہ ضعیف ہے۔ ابو تراب النخشبی کہنے لگے: " لا اتق اللہ ولا تغتب " یعنی: " اللہ سے ڈرو اور غیبت نہ کرو" امام احمد کے فرزند عبد اللہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رحمہ اللہ نے ان کی طرف دیکھا اور فرمایا: "ویحک ھذا نصیحۃ ولا غیبۃ" یعنی: "یہ خیر خواہی ہے غیبت نہیں ہے۔" [3]

[1]لسان العرب :۳/۵۲۱، دارالکتب العلمیۃ بیروت [2] ابو تراب العسکر بن الحصین النخشبی الصوفی [3] طبقات حنابلہ لابن ابی یعلیٰ : ۲/۱۸۳، مکتبۃ العبیکان ، شرح العلل لابن رجب۱/۴۶،

بلکہ امام یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ کا بھی بڑا عجیب واقعہ ہے۔(یہ بصری ہیں اور یحی بن سعید الانصاری رحمہ اللہ مدنی ہیں۔) یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ جب آخری ایام میں تھے ان کے پاس ابو بکر الخلاد رحمہ اللہ آئے،یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ نے ان سے پوچھ لیا کہ اہل بصرہ میرے بارے میں کیا خیال رکھتے ہیں؟(کہ معلوم ہو جائے کہ وہ کیا خیال رکھتے ہیں؟ان کی میرے بارے میں کیا شہادت ہے؟) انہوں نے جواب دیا: اہل بصرہ کہتے ہیں کہ آدمی تو بہت اچھے ہیں لیکن یہ جو راویوں پر جرح کرتے ہیں یہ کام اچھا نہیں ہے۔(یعنی سب خوبیوں کے اعتراف کے بعد آپ کی جرح و تعدیل کے عمل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے) امام یحی بن سعید القطان رحمہ اللہ نے فرمایا:"مجھے یہ بات گوارا ہے کہ قیامت کے دن پوچھا جائے کہ تم نے اس کے بارے میں یہ نقد کیوں کیا ہے؟لیکن یہ سوال گوارا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ پوچھے کہ میرے نبی ﷺ کی طرف بات بیان کرنے والے نے بات بیان کی اور وہ آدمی قابل اعتبار نہیں تھااور تم خاموش رہے مجھے اس سوال سے خوف آتا ہے کہ اس کا،میں کیا جواب دوں گا؟؟[1]

بہر حال بعض نیک حضرات نے اسے غیبت بھی سمجھا ہے،لیکن یہ غیبت نہیں ہے بلکہ دین کی خدمت اور احادیث رسول ﷺ کی حفاظت کا ایک ذریعہ ہے۔

عدالت:

لغوی[1] **معنی:** ''العدالة العدل من الناس ''

شرح العلل لابن رجب: ۱/۴۶۶، تراجم اعیان الحفاظ، عبارتہ:'' دخلت على يحيى بن سعيد في مرضه، فقال لي: يا أبا بكر، ما تركت أهل البصرة يتكلمون؟ قلت: يذكرون خيرا، إلا أنهم يخافون عليك من كلامك في الناس. فقال: احفظ عني، لأن يكون خصمي (في الآخرة) رجل من عرض الناس أحب إلي من أن يكون خصمي في الآخرة النبي ﷺ يقول: بلغك عني حديث وقع في وهمك أنه عني غير صحيح، يعني فلم تنكر.'اور الکامل فی الضعفاء کے مقدمہ میں بھی یہ واقعہ مذکور ہے۔

یعنی: "وہ شخص جو قابل اعتبار ہو"جس کے اعمال و اخلاق پسندیدہ ہوں اس کو لغت میں عدل کہتے ہیں۔ اصطلاحاً: مسلم،بالغ عاقل، سالم من اسباب الفسق بری عادات سے جو خلاف مروت ہیں آداب اسلامی کے خلاف ہیں ان سے اجتناب کرنے والا ہو۔

عدالت کی شرط راوی کی قبولِ روایت کے لئے ہے،یا بیانِ روایت کے لئے؟؟

یہاں یہ بھی سمجھیں کہ یہ جو شرط عائد کی ہے کہ عادل ہو یعنی مسلم ہو،بالغ ہو اور فسق سے بچا ہوا ہو اور خوارم مروت سے بچا ہوا ہو،یہ شرط راوی کے روایت لینے میں ہے یا روایت بیان کرنے میں ہے،؟؟ صحیح بات یہ ہے کہ لینے کے لئے یہ شرائط نہیں ہے بلکہ حدیث بیان کرنے کے لئے یہ شرائط ہیں کہ جو حدیث بیان کر رہا ہو وہ بالغ،عاقل،سالم من الفسق اور اخلاق اس کے درست ہوں،اب دیکھئے!

نابالغ کی روایت قابل قبول ہے۔

غیر مسلم بعد میں مسلمان ہو گیا تو اب وہ اس وقت کی حکایت بیان کرتا ہے تو اگر مسلمان نہ ہو تو اس کی کوئی روایت قابل نہیں ہے اور اسلام لانے کے بعد وہ عمل حکایت کر دیا تو وہ حدیث بن گیا، لہذا یہ شرط روایت بیان کرنے کے لئے ہے۔ فسق سے مراد: وہ کبیرہ کا مرتکب نہ ہو اور صغیرہ پر اصرار نہ ہو اس لئے کہ صغیرہ کا اصرار اسے کبیرہ بنا دیتا ہے۔ بہت سی سنتوں کا استخفاف اسی لئے ہو رہا ہے کہ وہ سنت ہی تو ہے تو صرف سنت کہہ کر لوگ بے وقعتی اختیار کئے ہوئے ہیں حالانکہ یہ مسلسل دوری اسے کبیرہ گناہ بنا دیتی ہے۔ تو عدالت کے لئے یہ چیز شرط ہے۔

فسق کی اقسام: فسق کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اعتقادی جس کا تعلق بدعات سے ہے۔ (اس کی مزید قسمیں آگے آ رہی ہیں)

۲۔ **عملی:** محدثین نے تقسیمِ فسق میں بڑی باریک بینی اور انصاف پر مبنی فیصلہ فرمایا ہے کہ بدعتی بھی فاسق اور معصیت کا مرتکب بھی فاسق، مگر محدثین دونوں کی روایت میں فرق کرتے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے؟ اس کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ جس نے بدعت اختیار کی ہے اس نے نیکی سمجھ کر اس کو اختیار کیا ہے، لیکن اس میں اس کو غلط فہمی ہوئی اور خطاء لگی ہے۔ لیکن جو عملی فسق ہے وہ نافرمانی کا مرتکب ہے، البتہ ایسی بدعت جو حدِ کفر تک پہنچ جاتی ہے اس کی روایت بالکل قابل قبول نہیں ہے۔

بدعت کی اقسام:

بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ بدعت مکفرہ ۲۔ بدعت مفسقہ

بدعت مکفرہ:

ایسی بدعت کہ جس کے نتیجے میں کفر لازم آتا ہے تو ایسے راوی کی روایت قابل قبول نہیں ہے اس لئے کہ عدالت کی شرط مسلم والی ختم ہو جاتی ہے۔

بدعت مفسقہ:

ایسی بدعت جو حد کفر تک نہیں پہنچتی اس کا حکم یہ ہے کہ اگر وہ داعی الی البدعۃ نہیں اور وہ روایت اس کی بدعت کی تائید میں نہیں تو پھر اس کی روایت کو لے لیا جائے۔ بعض نے کہا ہے بدعتی اگر بدعت مکفرہ کا مرتکب نہیں وہ داعی الی البدعہ ہی کیوں نہ ہو اس کی روایت قبول کی جائے گی۔ بدعتی اور فاسقِ عملی کے بارے میں یہ تفریق ہمیں ملحوظ رکھنی چاہئے۔

یہی وجہ ہے کہ بہت سے راوی مرجی ہیں، خارجی ہیں، رافضی ہیں، معتزلی ہیں، قدری ہیں۔ لیکن ان کی روایات صحاح ستہ میں، کتب احادیث میں موجود ہیں۔ جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اسلاف نے ان کی اس چیز کو حدِ کفر تک نہیں سمجھا۔ لیکن وہ لوگ جو مثلاً قرآن مجید کی تحریف کے قائل ہیں، اب جب ان کے عقیدے کے مطابق قرآن ہی محفوظ نہیں، ان کا اسلام اور ایمان بھی مشکوک ہو کر رہ جاتا ہے۔ گویا کہ اسلام کے لئے ضروری ہے کہ کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کیا جائے، نبی ﷺ نے یہی کلمہ بتا دیا تھا اب کوئی کہے اس میں تیسری شہادت کا

مزید اضافہ ہے۔اب ساری امت درست ہے یا وہ جو یہ کہہ رہا ہے کہ تیسری شہادت بھی کلمہ کا حصہ ہے اور ایمان کے لئے ضروری ہے، دونوں درست تو نہیں ہوسکتے، تو یہ لوازماتِ دین کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

ثبوت عدالت

معروف العدالۃ شخص کے بارے میں منفرد جرح کا حکم:

کچھ ایسے نفوس قدسیہ موجود ہیں جن کی تحسین و توثیق بالکل مبرہن ہے سورج اور چاند کی طرح روشن ہے اب ان کے اوپر جو حرف گیری کرتا ہے اس کی حرف گیری کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔جس کی عدالت ثابت ہے اور اس کی عدالت کے بارے میں اقوال معروف ہیں، اب کوئی گھساپٹا یا کوئی منفرد قول اس کی تجریح کے بارے میں ہے تو وہ قابل قبول نہیں ہوگا۔مثال کے طور پر ابن ابی ذئب ہیں اور ان کے مقابلے میں امام مالک رحمہ اللہ ہیں۔اب ابن ابی ذئب کا تبصرہ امام مالک رحمہ اللہ کے بارے میں موجود ہے۔[1] حالانکہ امام مالک کا مقام کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے۔ اب ابن ابی ذئب اگر کچھ باتیں کہتے ہیں، اس سے امام مالک رحمہ اللہ کا کچھ نہیں بگڑے گا۔

[1]ابن ابی ذئب کا نام محمد بن عبد الرحمن العامري ہے، حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کا ترجمہ قائم کرتے ہوئے ‘‘ الإمام، شيخ الإسلام، الفقيه ” جیسے القاب استعمال فرماتے ہیں،نیز فرماتے ہیں و کان من اوعیۃ العلم ، ثقۃ ، فاضلاً، قوالاً بالحق، مهيباً .ان کے اساتذہ میں عکرمہ، شرحبیل ، شعبہ، زہری جیسی شخصیات ہیں اور تلامذہ میں ابن المبارک ، یحی بن سعید القطان ، وکیع اور آدم بن ابی ایاس رحمهم اللہ جسی شخصیات ہیں.استاد محترم حفظہ اللہ یہاں جس تبصرے کی طرف اشارہ کررہے ہیں، یہ تبصرہ سیر اعلام النبلاء میں موجود ہے، چنانچہ حافظ ذہبی نے امام احمد رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے، ‘‘ابن ابی ذئب تک یہ بات پہنچی کہ امام مالک رحمہ اللہ ایک حدیث [البیعان بالخیار ما لم یتفرقا] (صحیح بخاری: ۲۱۰۹)]قبول نہیں کرتے، ابن ابی ذئب نے جواب دیا : ‘‘يستتاب، فإن تاب، وإلا ضربت عنقه’’یعنی ان سے توبہ کروائی جائے گی اگر وہ توبہ کرلیں تو ٹھیک ، ورنہ ان کی گردن اڑادی جائے گی، پھر امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ابن ابی ذئب ، امام مالک سے زیادہ ورع اور حق کہنے والے تھے.حافظ ذہبی رحمہ اللہ امام احمد کے اس قول کے بعد امام مالک رحمہ اللہ کا بھرپور دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ‘‘ لو كان ورعا كما ينبغي، لما قال هذا الكلام القبيح في حق إمام عظيم’’ یعنی اگر وہ ورع والے ہوتے جیسا کہ ان کو لائق تھا تو وہ اتنے بڑے امام کے بارے میں ہر گز ایسا قبیح کلام نہیں کرتے۔ پھر دفاع کرتے ہوئے فرماتے ہیں :امام مالک رحمہ اللہ نے ظاہر حدیث پر اس لئے عمل نہیں کیا ہوگا کہ وہ اس کو منسوخ سمجھتے ہوں گے. دوسرا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں ، کہ اس حوالے سے یہ بھی کہا گیا ہے کہ امام مالک رحمہ اللہ نے اس حدیث پر عمل کیا ہے حتی یتفرقا کو انہوں نے تفرق بالتلفظ پر محمول کیا ، (یعنی کلام مکمل ہوجائے)تو امام مالک کے لئے اس حدیث اور تمام احادیث پر اجر ہے ، اگر وہ کسی مسئلہ میں صائب الرائے ہوں تو اجر مزید بڑھ جاتا ہے.اور خطاء پر تلوار کو جائز سمجھنا تو حروریہ (خارجیوں) کا مؤقف ہے۔ تیسرا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں:‘‘ولم يسندها الإمام أحمد، فلعلها لم تصح’’ امام احمد نے اس کی سند پیش نہیں کی ، ممکن ہے کہ یہ واقعہ ہی صحیح ثابت نہ ہو۔ بہرحال حافظ ذہبی کے ان بعض اقتباسات سے واضح ہوچکا ہے کہ اس تبصرے کی کیا حیثیت ہے، لہذا حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہی فیصلہ دیا :‘‘ فلا نقصت جلالة مالك بقول ابن أبي ذئب فيه، ولا ضعف العلماء ابن أبي ذئب بمقالته هذه، بل هما عالما المدينة في زمانهما’’ یعنی ابن ابی ذئب کی جرح سے امام مالک کی جلالت میں کوئی نقص نہیں آئے گا اور نہ ہی ابن ابی ذئب کے اس قول کی وجہ سے علماء نے ان پر جرح کی ہے بلکہ یہ دونوں اپنے دور کے مدینہ کے عالم تھے۔ (سیر اعلام النبلاء :۷/۱۴۱، مؤسسۃ الرسالہ)

اسی طرح امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں یحی بن معین رحمہ اللہ نے نقد کیا ہے۔[1] لیکن یحی بن معین رحمہ اللہ کا یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کی عظمت کو کمزور نہیں کرتا۔

[1]انہوں نے امام شافعی کے بارے میں لیس بثقۃ کہا۔ (جامع بیان العلم: ۲/۱۱۱۴، باب حکم قول العلماء بعضهم فی بعض) ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے نقل کیا کہ امام احمد سے یہ کہا گیا کہ یحی بن معین امام شافعی کے بارے میں کلام کرتے ہیں ،تو امام احمد رحمہ اللہ نے جواب دیا: ‘‘ومن أين يعرف يحيى الشافعي هو لا يعرف الشافعي ولا يعرف ما يقول الشافعي؟ ’’ یعنی یحی ، امام شافعی کو کیسے جانتے ہیں؟ وہ امام شافعی کو نہیں جانتے اور نہ ہی وہ یہ جانتے ہیں کہ امام شافعی کیا کہتے ہیں؟ اس کے بعد امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ امام احمد کے اس قول پر تبصرہ کرتے ہیں: ‘‘ صدق أحمد بن حنبل رحمه الله، إن ابن معين كان لا يعرف ما يقول الشافعي رحمه الله’’ یعنی امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے سچ فرمایا امام ابن معین رحمہ اللہ امام شافعی کے مؤقفات کو نہیں جانتے تھے ۔

آپ حیران ہوں گے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے یہاں حد سے تجاوز کیا ہے۔حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام یحی بن معین رحمہ اللہ کے بارے میں کہہ دیا کہ وہ غالی حنفی تھے، اس لئے انہوں نے امام شافعی رحمہ اللہ پر نقد کیا ہے[1] لیکن حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا یہ نقد بھی غلط ہے۔کیونکہ اگر آپ یحی بن معین رحمہ اللہ کے فقہی اقوال دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا یحی بن معین رحمہ اللہ کے بارے میں یہ تبصرہ صحیح نہیں ہے۔[2]

[1]امام ذہبی رحمہ اللہ نے یہ بات ‘‘ الرواة الثقات المتكلم فيهم بما لا يوجب ردهم’’ میں کہی ہے۔ چنانچہ کتاب کے مقدمہ میں امام شافعی پر امام ابن معین کی طرف سے کی جانے والی جرح اور ابن معین کے بارے ابن عبدالبر کا قول نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: [قال المؤلف رحمه الله تعالى وكلامه يعني ابن معين في الشافعي ليس من هذا اللفظ الذي كان عن اجتهاد وإنما هذا من فلتات اللسان بالهوى والعصبية فإن ابن معين كان من الحنفية الغلاة في مذهبه وإن كان محدثا] (الرواة الثقات : صفحہ نمبر 30 طبع دارالبشائر)جہاں تک امام ابن معین کے غالی حنفی ہونے کی بات ہے تو یہ غلط ہے، جیساکہ ان کے فقہی اقوال سے واضح ہوجائے گا جسے ہم آگے درج کررہے ہیں، یہاں صرف یہ بیان کرتے ہینکہ امام ابن معین سے امام ابوحنیفہ کے بارے میں بھی جرح ملتی ہے، دیکھئے :(تاریخ بغداد: ۱۳/۴۲۲، الضعفاء العقیلی :۴/۱۴۱۲، الکامل لابن عدی:۸/۲۳۶) اگر وہ غالی حنفی ہوتے اور ایسے ہوتے کہ اسی بناء پر امام

شافعی پر جرح کرجائیں تو وہ قطعاً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر جرح نہ کرتے۔ [2] جہاں تک ان کے فقہی اقوال کا معاملہ ہے ، تویہ بحث ذرا تفصیل طلب اس کا یہاں محل نہیں ہے۔ ان کا فقہی مسلک قطعاً مقلدانہ نہیں تھا، بعض مسائل میں وہ کسی کی رائے بہتر سمجھتے ہیں۔ تو بعض میں کسی دوسرے کے موافق ہے۔ یہاں ان کے فقہی مسلک کی ایک جھلک کے لئےانتہائی مشہور مسئلہ جوکہ اہل حدیث کے امتیازی مسائل میں گردانا جاتا ہے ، رفع الیدین اور فاتحہ خلف الامام کے بارے میں ابن معین رحمہ اللہ کا مؤقف ملاحظہ فرمائیے: ابن محرز کہتے ہیں : ‘‘سمعت یحیی یقول من قرأ خلف الامام فقد احسن ومن لم یقرأ فصلاته جائزة (موسوعۃ تاریخ ابن معین :۲/۷۸) یعنی : جس نے امام کے پیچھے قرأت کی اس نے اچھا کیا، اور جس نے نہ کی اس کی نمازجائز ہے (بقیہ گزشتہ صفحہ)اسی طرح رفع الیدین کے بارے میں بھی ابن محرز کہتے ہیں : ‘‘سمعت یحیی بن معین یقول من رفع فی الصلاة فقد احسن ومن لا فلا شيء علیه’’(موسوعۃ تاریخ ابن معین :۲/۷۸) میں نے یحی ابن معین کو سنا وہ فرمارہے تھے کہ جس نے نماز میں رفع الیدین کیا اس نے اچھا کیا اور جس نے نہ کیا اس نے بھی اچھا کیا۔ بلکہ ابن محرز نے تو یہاں تک کہہ دیا : ‘‘رأیت یحیی بن معین مالا أحصیه کثرة یرفع یدیه في الصلاة اذا افتتح واذا أراد أن یرکع واذا رفع رأسه من الرکوع’’ (موسوعۃ تاریخ ابن معین :۲/۹۶) یعنی :میں نے یحی بن معین کو بکثرت(جسے میں شمار نہیں کرسکتا) دیکھا کہ وہ نماز شروع کرتے وقت ، رکوع کرتے وقت اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع الیدین کیا کرتے تھے۔ لہذا اس سے واضح ہے کہ ابن معین قطعاً حنفی نہیں تھے ،بعض مسائل میں اگر ان کی موافقت ہے تو یہ موافقت ایک مجتہد کی حیثیت سے ہےاور صرف موافقت کی حد تک ہے نہ کہ تقلید کی حد تک ۔

بہر حال امام شافعی رحمہ اللہ کے بارے میں امام یحی بن معین رحمہ اللہ کی جرح کا اعتبار نہیں ہو گا۔ امام احمد بن صالح مصری رحمہ اللہ کے بارے میں امام نسائی رحمہ اللہ نے جرح کی،[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے تہذیب میں صاف کہاہے کہ ان کا یہ کلام انہیں مجروح قرار نہیں دیتا۔[2]

[1]یہ امام بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں، حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں : ‘‘الإمام الکبیر ، حافظ زمانه بالدیار المصریة’’ بلکہ یہ بھی لکھا : ‘‘وکان أبو جعفر رأسا في هذا الشأن ، قل أن تری العیون مثله ، مع الثقة والبراعة ’’ اور مام نسائی نے ان کے بارے میں کہا: ‘‘ أحمد بن صالح لیس بثقة ولا مأمون ، ترکه محمد بن یحیی ، ورماه یحیی بن معین بالکذب’’جبکہ ان کے مقابلے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا کلام تو ملاحظہ کرہی چکے ہیں، مزید امام بخاری، امام عجلی ، ابو حاتم، احمد بن حنبل ،علي اور ابن نمیر وغیرہ نے توثیق و مدح کی ہےحافظ ذہبی نے ابن عدی ،خطیب بغدادی، مسلمہ بن القاسم سے امام نسائی کے کلام کے حوالے سے احمد بن صالح المصری کا بھرپور دفاع نقل کیا ہے۔ دیکھئے: سیر اعلام النبلاء ۱۲/۱۶۰، مؤسسۃ الرسالہ [2] تہذیب التہذیب : ۱/۴۳، قال ابن حجر: قلت: وقال الخلیلی: اتفق الحفاظ علی ان کلام النسائی فیہ تحامل۔

اسی طرح عکرمہ رحمہ اللہ کے بارے میں امام مالک رحمہ اللہ کا تبصرہ موجود ہے۔[1] تو کیا ان کے قول کی وجہ سے عکرمہ رحمہ اللہ مجروح قرار دیئے گئے ہیں؟؟

بہر حال ان تمام مثالوں کی روشنی میں یہ اصول بیان کیا گیاہے کہ جن کی عدالت معروف ہو ان کے بارے میں کوئی منفرد قول قابل قبول نہیں ہوتا۔

[1]مقدمہ فتح الباری:۲/۱۱۳۷، الفصل التاسع ، اسماء من طعن فیہ .. الخ ،معن بن عیسی وغیرہ کہتےہیں : ‘‘کان مالك لا یری عکرمة ثقة ویأمر أن لا یؤخذ عنه ’’ یعنی : امام مالک عکرمہ کو ثقہ نہیں سمجھتے تھے اور وہ حکم دیتے تھے کہ ان سے روایت نہ لی جائے۔ اسی طرح ربیع کہتے ہیں کہ امام شافعی نے فرمایا ‘‘ و هو یعنی مالک بن انس سئی الرأی فی عکرمۃ قال : لا اری لاحد ان یقبل حدیثہ ’’یعنی: امام مالک کی عکرمہ کے بارے میں رائے اچھی نہیں تھی ، وہ فرماتے تھے کہ میں کسی کے لئے یہ جائز نہیں سمجھتا کہ وہ عکرمہ سے روایت لے۔ یہی دونوں اقوال تہذیب مینبھی موجود ہیں دیکھئے: تہذیب: ۴/۵۵۱، دارالکتب العلمیۃ

مدلسین کی طبقاتی تقسیم، ائمہ متاخرین کے اصول، مسئلہ حسن لغیرہ

جیسے اصولی مباحث پر اہم نکات پر مشتمل چند فوائد

کیاحافظ ابن حجر کی کتاب طبقات المدلسین فضول ہے؟

جن مدلسین کو طبقہ اولی میں داخل کیا گیاہے تو اسکی چند اقسام ہیں:

* سرے سے مدلس ہی نہیں، محض وہم کی وجہ سے لگے الزام کی بناء پر انہیں طبقہ اولی میں داخل کیا گیاہے

* ان پر ارسال کاالزام ہے نہ کہ تدلیس اصطلاحی کا،،فبینهما فرق

* ان پر تدلیس فی الاجازہ کاالزام ہے،اور تدلیس فی الاجازہ کاعنعنہ عنعنہ سے تعلق نہیں ہوتا۔۔

* روایات کے تناسب سے انکی تدلیس بہت کم اور شاذ ونادر ہے۔۔اور یہ بات واضح کے کہ حکم ہمیشہ اغلب اور اکثر کا ہوتا ہے، نہ کہ شذوذ وندرت کا۔

اس قسم کے مدلسین طبقہ اولی وثانیہ میں مذکور ہیں۔۔۔ قلت تدلیس سے متصف کے علاوہ مدلسین ویسے تدلیس کے الزام سے بری ہو جاتے ہیں۔۔باقی رہے قلت تدلیس سے متصف۔ تیسرا اور چوتھا طبقہ کثیر التدلیس سے متصف رواۃ کے لیے ہے(اگرچہ بعض رواۃ کے حوالے سے اختلاف کیا جاسکتا ہے)

بانچواں طبقہ ضعیف مدلسین کا ہے۔۔جو سماع کی صراحت کر دیں تب بھی انکی روایت مردود ہے الا کہ انکی متابعت آجائے اگر وہ متابعت کے قابل ہوں۔

نتیجہ۔۔۔ گویا اصل حکم کے اعتبار سے تدلیس کے دو ہی طبقے ہوئے۔

قلت تدلیس،اس میں اولی وثانیہ کے مدلسین ہیں۔

ثالثہ ورابعہ: اس میں کثیر التدلیس ہیں۔

گویا باقی دو ہی طبقے رہ جاتے ہیں۔

قلیل اور کثیر۔۔۔ متقدمین محدثین کرام سے قلت اور کثرت کے مابین فرق ثابت ہے، مثلاامام بخاری، علی بن المدینی وغیرہ۔۔

لہذا یہ کہنا کہ طبقات متقدمین محدثین سے ثابت نہیں،، بلکل بچگانہ اعتراض ہے۔

ائمہ متقدمین ومتاخرین کاشوشہ،اور ائمہ متاخرین کے اصولوں کی حجیت

بعض حضرات ائمہ متقدمین اور ائمہ متاخرین کو آمنے سامنے لاکر ائمہ متاخرین کے اصولوں کو کلیتارد کر دیتے ہیں،تو ایسوں کے لیے عرض ہے کہ کیا خبر متواتر ائمہ متقدمین سے ثابت کرسکتے ہیں۔۔

کیا حسن لذاتہ کی اصطلاح ائمہ متقدمین سے ثابت کرسکتے ہیں۔۔؟؟ جب کہ ان حضرات نے اپنی تازہ کتاب میں یہ دونوں اصطلاحات بھی ذکر کی ہیں۔

کیاامام ترمذی کا متساہل ہونا ائمہ متقدمین سے ثابت کرسکتے ہیں۔۔؟؟

کیاامام ابن خزیمہ کا متساہل ہونا ائمہ متقدمین سے ثابت کرسکتے ہیں۔۔؟؟

کیاامام عجلی کا متساہل ہونا ائمہ متقدمین سے ثابت کرسکتے ہیں۔۔؟؟

ائمہ متاخرین کو کس طرح بے دردی کے ساتھ ردی کی ٹوکری میں پھینکا جارہاہے۔۔۔یہ قطعاقطعا غلط راستہ ہے جو ائمہ متقدمین اور ائمہ متاخرین کے درمیان دراڑ لگاکر انکوایک دوسرے کے مدمقابل کھڑا کرتے ہیں۔۔

بہت ساری اصطلاحات ایسی ہیں جنکی اگر ائمہ متاخرین وضاحت نہ کرتے توہم وہی کے وہی رکے ہوتے۔۔۔

انہوں نے ائمہ متقدمین کے تعاملات سے استنباط، اور استقراء کرکے ہمارے لیے اصول و قواعد بنائے۔۔۔ہمیں تو انکا احسان مند ہوناچاہیے تھا۔۔لیکن افسوس درافسوس کہ ہم احسان فراموشی کررہے ہیں۔۔۔کیااحادیث میں ہر مسئلہ نصابیان ہواہے۔۔یااجتہاد اور قیاس بھی

کیاجاتاہے۔ائمہ متقدمین نے اصول وضع کیے۔۔لیکن اسکے ساتھ انکے تعاملات بھی ہیں جن سے ائمہ متاخرین نے استخراج واستنباط کرکے اصول وضع کیے۔۔۔گویاان اصولوں کی اصل ائمہ متقدمین کا تعامل ہی ٹھہرا۔۔بلکل اسی طرح جس طرح جس طرح قیاس کی اصل قرآن مجید وحدیث مبارک میں موجود ہے۔دکتور شیخ حمزہ مدنی حفظہ اللہ فرماتے ہیں۔: متقدمین کا تحقیق حدیث کے سلسلہ میں جو تعامل تھااسے ہی تو اہل تدوین نے فن کی صورت دی ہے۔اگر تدوین کے بجائے سب کچھ ماقبل زمانہ تدوین کے آئمہ کے واضح تھاتو اھل تدوین کا ساراکام جھک مانے اور ایڑیاں مارنے کے سواکیارہ جاتاہے۔یا للعجب

متقدمین کے ہی اتفاقی تعامل کو بعد والوں نے جب ایک فن کی صورت دیدی ھے اور اسے تمام محدثین کے ہاں بلااختلاف قبول بھی کیاگیاہے تو اب یہ کونسا انداز ہے کہ " آپ متقدمین محدثین سے طبقات ثابت کردیں میں بات تسلیم کرلوں گا" بات کرنے سے پہلے سوچیں، پھر اسے تولیں پھر اسے بولیں۔مزید کہاکہ۔: بلکہ یہ حضرت فن مصطلح کی کون کون سی اصطلاحات کو اپنے سطحی معیار نقد سے متقدمین سے پیش کرسکیں گے ؟!یہاں توسیکڑوں مصطلحات ہیں جن کو فن حدیث کی کتب ہی سے معلوم کیاجاسکتاہے، متقدمین میں انہیں بطور ضابطہ و مصطلح جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں ماسوائے متاخرین کے فن حدیث کے!!

چنانچہ خطرناک دروازے نہیں کھولنے چاہیں کہ فن حدیث ہی مشکوک ٹھہر جائے۔۔۔(ان) صاحب جیسی باتیں ہم نے منکرین حدیث مثل غامدی وغیرہ سے براہ راست استخفاف حدیث کے ضمن میں سنی ہیں۔دراصل پرویز وغیرہ نے توحدیث وسنت کی حجیت کا انکار صاف صاف، لگی لپٹی بغیر کھل کردیاتھاتو عوام الناس نے بہت شدید رد عمل کا مظاھرہ کیاتو بعد کے منکرین نے انداز تاویلیں اختیار کرلیاہے۔اب شبلی، تقی امینی، اصلاحی، غامدی وغیرہ کا انداز انکار حدیث یہ ہے کہ"حدیث کی حجیت تسلیم لیکن محدثین تھے تو آخر انسان تھے اور ان کا مرتب کردہ فن حدیث جامع وکامل نہیں۔۔۔ان کا فن روایتی وسندی معیار کے اعتبار سے تومعیاری ہے، لیکن درایتی نقد کے پہلو سے ناقص ہے اس لیے احادیث ہم تک محفوظ حالت میں پہنچ نہیں سکیں۔"ذرا یہ بات نوٹ کریں کہ ان منکرین میں بھی اتنی جرات نہ تھی کہ کھل کر محدثین کے فن حدیث پر اسنادی روایتی جہت سے انگلی اٹھاتے لیکن ہمارے آجکل کے بے سمجھ ان سے آگے بڑھ کر اپنے اسلاف پر یہ طعنہ زنی کرتے ہیں کہ نہیں نہیں! محدثین کرام کا فن تحقیق سندی اعتبار سے بھی غیر محفوظ وغیر معیاری ہیں۔

والعیاذ باللہ اللہ تعالیٰ فتنوں سے بچائے۔

بلکہ متقدمین ومتاخرین کے درمیان رسہ کشی کا یہ گھناؤنا کھیل صرف فن حدیث تک محدود نہیں رہے گا، بلکہ تمام شرعی فنون (عقیدہ، اصول فقہ، منہاج تفسیر، فن تجوید وقراءات وغیرہ) اور آلی علوم نحو وصرف بلاغہ وغیرہ جو کہ اہل تدوین کی کاوشوں ہی سے محفوظ صورت میں ہم تک پہنچے ہیں اور اگر بالفرض۔۔۔ نعوذ باللہ۔۔۔۔ یہ فنون ہم دریابرد کردیں تو اسلاف اول (صحابہ وتابعین واتباع وغیرہ) کے اجماعی تعامل اور علمی تصورات کو مکمل صورت میں جاننے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ ہی نہیں رہ جاتا۔

کیا مدونین کی علمی وفنی کاوشوں پر عدم اعتماد کروانے حضرات نحو وصرف اور بلاغہ ومنطق وغیرہ کی اساسی باتوں کو بھی تسلیم کرنے کے جاہلانہ نظریہ کے حامل ہیں کیونکہ یہ سب کچھ بھی تو اہل تدوین کی پیش کردہ خدمات ہیں جن پر ہمارے یہ کرم فرما مطمئن نہیں۔جب لوگوں کی علوم دینیہ میں رسوخ اور فنون سے متعلق اساسی تصورات سے لاعلمی کی حالت یہ ہو کہ وہ علوم کی تدوین اور اس سے متعلقہ بنیادی باتوں سے بھی واقف نہ ہوں لیکن خود کو علامہ فہامہ سمجھ بیٹھیں تو انتظار کریں کہ وہ دیگر بڑے بڑے انکشافات بھی مستقبل قریب میں فرمائیں گے۔

کسی بات سے ناواقفیت ہو تو اس کی معرفت ہونا اور خاموش رہ کر لاعلم کا اقرار کرنا۔۔۔۔

یہ بھی آدھا علم ہے، چہ جائیکہ انسان اپنی لاعلم شخصیت کے تعارف کے اشتہار نصب کرنا شروع کردے۔۔۔ اور اگر مکابرت پر مبنی یہ سب کچھ ائمہ اسلاف کے بالمقابل ہو تو یہ رویہ میری مذکورہ باتوں سے بھی کئی گنا زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے۔

شیخ محمد صارم حفظہ اللہ فرماتے ہیں۔: ابن حجر رحمہ اللہ کا خاصہ یہ ہے کہ انہوں نے متقدمین کی کتب کی تنقیح کردی ہے اور مصطلاحات کو ان کے مقام پر ایسے رکھ دیا ہے کہ بعض اصطلاحات جن کی تعریفات میں ٹکراو تھا وہ ختم ہو گیا۔مثال کے لئے (النکت) میں ارسال کی بحث دیکھی جاسکتی ہے۔

کیا حسن لغیرہ حدیث متقدمین سے ثابت نہیں؟

حسن لغیرہ امام ترمذی سے ثابت ہے۔۔بلکہ وہو اول من اشھرہ۔۔قالہ ابن حجر۔۔

انہوں نے اسکو شہرت دی۔۔ یہ نہیں کہ اسکے موجد ہی وہی ہیں۔۔۔ گویا یہ اصطلاح اوروں سے بھی ثابت ہے۔ مگر چونکہ امام ترمذی نے کثرت کے ساتھ اپنی کتاب میں اسکا ذکر کیا ہے۔۔لہذا اسی لیے انکو اسکی شہرت کرنے والا کہا جاتا ہے۔ کہنے کا مقصد۔۔ کیا امام ترمذی ائمہ متقدمین میں سے نہیں۔ ان صاحب نے اپنی تازہ کتاب میں انکار کردیا ہے کہ امام ترمذی حسن لغیرہ کے قائل ہیں۔۔۔اناللہ وانا وانا الیہ راجعون۔۔۔

آپ اصول حدیث کی کتب اٹھا کر دیکھیں تقریبا ہر مصنف نے اس اصطلاح امام ترمذی کی طرف منسوب کیا ہے۔۔تو کیا انہوں نے وہ محض ظن، تخمین اور تقلیدا ایسا کہا ہے۔

یہ سارے جواب میری زیر ترتیب کتاب میں آرہے ہیں۔۔ان شاء اللہ العزیز۔

آخری اور اہم بات۔۔۔اور قابل غور بھی۔۔محدثین کرام نے تین قسم کی روایات جمع کی ہیں۔۔

صحیح

قلیل الضعف روایات

شدید الضعف روایات

اول قسم پر تو کلام ہی نہیں۔تیسری قسم۔۔۔یہ بتانے اور متنبہ کرنے کے لیے کہ کس کس قسم کے ظالم لوگ پیدا ہوگئے تھے۔۔۔اور سب سے بڑھ کر ایمانداری سے یہ پورا حصہ منتقل کر دیا۔۔اور بھی فوائد ہیں۔

دوسری قسم۔۔۔تو اسکو اس لیے جمع کر دیا تاکہ اگر اسکا کہیں شاہد یا متابع ہو تو اسکے ساتھ یہ قوت پکڑلے گی۔

اور اس حوالے سے ایک بھی محدث سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا کہ اس نے صحیح شاہد یا متابع کی قید لگائی ہو۔۔اور حقیقت بھی یہی ہے۔۔۔ورنہ اگر لازمی طور پر صحیح متابع یا شاہد کو ہی تلاش کیا جائے تو پھر ضعیف کی ضرورت ہی کیا رہیگی جو اسکے لیے صحیح متابع تلاش کیا جائے۔۔۔؟؟

امام ترمذی رحمہ اللہ ائمہ متقدمین میں سے ہیں:

انہوں نے اپنی کتاب میں حسن لغیرہ کو کثرت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔۔اور ان کے دور سے لیکر پانچویں، چھٹی صدی ہجری تک سواء ابن حزم کے کسی ایک بھی محدث سے ان پر نکیر ثابت نہیں۔آخر کیوں۔؟؟اگر نئی اصطلاح وضع کی جارہی ہے، جس پر ہزاروں احادیث کا فیصلہ ہے۔اگر اس اصطلاح۔سے ائمہ متقدمین واقف نہ ہوتے تو کیا وہ اسد دپر خاموش تماشائی بیٹھے رہتے۔؟ابن حزم کا تشدد اور شذوذ معروف ہے۔۔لہذا انکی بات قابل التفات نہیں۔

شیخ زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس پر نکیر ثابت نہیں وہ اجماع ہے۔۔۔لہذا امام ترمذی کی حسن والی اصطلاح پر ائمہ متقدمین سے نکیر ثابت نہیں۔لہذا ان کے بقول اجماع ہوا۔

اگر ابن حزم کو لاتے ہیں نکیر ثابت کرنے کے لیے تو پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ بھی قران مجید میں معوذتین کے قائل نہیں۔ملاحظہ ہو"توضیح الکلام"۔تو لہذا یہاں پر اجماع قرآن سے پھر انکار کر دیں۔۔

اس ساری تفصیل کا مقصد یہ ہے کہ ائمہ متقدمین اور ائمہ متاخرین کا شوشہ چھوڑنا ترک کر دیں۔۔۔ورنہ" پھر ائمہ متقدمین کے الگ اصول اور ائمہ متاخرین کے الگ اصول"کے نام سے کتاب لکھ کر امت پر عظیم احسان کر کے چلے جائیں۔امت بیچاری پہلے ہی بڑے بڑے

فتنے سہہ رہی ہے۔ایک یہ بھی سہی۔جیسے تیسے سہہ لے گی۔انتہی

سند میں سفیان سے مراد؟

سند میں جب سفیان آجائے تو اس سے مراد ثوری ہیں یا ابن عیینہ ؟اس فرق کی تفصیل پیش خدمت ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ثوری کے شاگرد کبار اور پرانے ہیں اور ابن عیینہ کے شاگرد صغار ہیں، انہوں نے ثوری کو نہیں پایا اور یہ بات واضح ہے، پس جب قدیم رواۃ نے بیان کیا ہو اور نام میں صرف سفیان بولا جائے تو اس سے مراد ثوری ہوں گے اور وہ وکیع، ابن مہدی، فریابی اور ابونعیم کی مثل ہیں۔ ان راویوں میں سے اگر کوئی ابن عیینہ سے بیان کرے گا تو ان کا مکمل نام (سفیان بن عیینہ) واضح طور پر لے گا، صرف سفیان نہیں کہے گا اور جس راوی کی ثوری سے ملاقات ہی نہیں ہوئی اور اس نے ابن عیینہ کو پایا ہے تو وہاں تنبیہ کی ضرورت ہی نہیں، اس کے لئے رواۃ کے طبقات کی معرفت ہونا ضروری ہے۔[1]

یہ ایک اہم قاعدہ ہے جو اکثر تلامذہ پر مخفی ہے۔

جرح کرنے والا اگر خود ضعیف ہے تو اس کی جرح قبول نہیں کی جائے گی:

ازدی خود ضعیف ہے، اس نے کسی راوی پر جرح کی تو اس پر تعلیق لکھتے ہوئے حافظ ذہبی فرماتے ہیں:'' هذه مجازفة ليت الأزدى عرف ضعف نفسه۔'' یہ ظلم ہے۔ کاش ازدی اپنے ضعف کو پہچانتے۔[2]

امام ابن حبان فرماتے ہیں:''من المحال ان يجرح العدل بكلام المجروح۔'' یہ بات محال ہے کہ عادل راوی پر مجروح کے کلام کے ساتھ جرح کی جائے۔ اسی طرح کچھ اور ضعیف راوی ہیں جو جرح وتعدیل کے لحاظ سے رواۃ پر حکم لگاتے ہیں، ان کی نہ جرح قبول ہے اور نہ ہی توثیق۔مثلا شاذکونی، ابن خراش،سلمة بن القاسم

[1] سير أعلام النبلاء:ج٧ص٤٦٦. [2] السير:ج١٣ص٣٨٩.

دولابی وغیرہ۔[1]

راوی کا بدعتی ہونا عدالت کے منافی نہیں:

راوی میں اصل عدالت اور ضبط ہے، اس کا بدعتی مثلا مرجئ، شیعی اور قدری وغیرہ ہونا مضر نہیں۔ اگر کسی راوی کی بدعت اسے کفر تک پہنچا دے جسے بدعت مکفرہ کہتے ہیں تو اس کی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔ امام ذہبی نے ابان بن تغلب کے ترجمے میں کہا: "فلنا صدقه وعليه بدعته۔" ہم اس کی سچی روایات لیتے ہیں اور اس کی بدعت اس پر چھوڑتے ہیں۔[2]

الزام کی تحقیق کرنا:

اگر کسی راوی پر کوئی الزام ہے تو اس کی پہلے تحقیق کی جائے گی۔ مثلا امام مکحول شامی پر ابن خراش نے قدری ہونے کا الزام لگایا ہے، حالانکہ امام اوزاعی فرماتے ہیں:: فكشفنا عن ذلك فاذا هو باطل۔ پس ہم نے اس الزام کی تحقیق کی تو یہ باطل ثابت ہوا۔[3] اسی طرح امام عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ پر تشیع کا الزام ہے، جو درست نہیں حالانکہ آپ سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہما کو سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر

فضیلت دیتے تھے۔[4] امام عبدالرزاق صنعانی رحمہ اللہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں:"وبہ ناخذ" اور اسی کو ہم لیتے ہیں۔[5]

صرف ثقہ راوی سے بیان کرنے والے:(یہ اغلبی ہے کلی نہیں)

۱:امام شعبہ رحمہ اللہ صرف ثقہ ہی سے بیان کرتے ہیں۔[6]

۲:امام ابوداود عام طور پر اپنے نزدیک ثقہ صرف ثقہ ہی سے بیان کرتے ہیں۔ جس

[1]تفصیل کے لیے دیکھیں فتح المنان مقدمہ لسان المیزان ص:۱۹۴-۱۹۹. [2] میزان الاعتدال:۵-۱. [3] تهذيب التهذيب:۲۹۱-۱. [4] تاريخ دمشق لابن عساكر:-۳۸ ۱۳۲،۱۳۱،سنده صحيح. [5] مصنف عبدالرزاق:۵۵۳۴. [6] دیکھیے (تہذیب التهذيب:۵۱۴-۱)

طرح امام ابن القطان نے کہا۔[1]

۴:امام بقی بن مخلد صرف ثقہ ہی سے بیان کرتے ہیں۔[2]

۵:امام بخاری رحمہ اللہ جس راوی سے بطور استشہاد روایت کریں وہ عام طور پر امام بخاری کے نزدیک ثقہ ہوتا ہے۔حافظ محمد بن طاہر المقدسی نے ایک راوی کے بارے میں لکھاہے:بل استشهد به في مواضع ليبين أنه ثقة۔"بلکہ انہوں (امام بخاری) نے کئی جگہوں پر اس سے بطور استشہاد روایت لی ہے تاکہ واضح ہو کہ وہ ثقہ ہے۔[3]

۶:ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے تمام شیوخ ثقہ ہیں؟ یہ بھی بعض نے دعوی کیاہے۔[4] یہ بات بالکل غلط ہے اس کی کوئی حقیقت نہیں تفصیل کا طالب اعلاء السنن فی المیزان ص:۹۶-۱۲۵ کا مطالعہ کرے۔ آپ دیکھ کر حیران ہو جائیں گے کہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شیوخ کس قدر کذاب اور جھوٹے موجود ہیں۔ مثلا عمرو بن عبید کذاب متروک، جراح بن منہال متروک، محمد بن زبیر تمیمی منکر الحدیث وغیرہ امام ابوحنیفہ کے شیوخ میں سے ہیں۔ فائدہ:اگر کوئی محدث کہے کہ فلاں راوی میرے نزدیک متروک نہیں تو یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ دوسرے محدثین کے نزدیک بھی متروک نہیں ہے۔

جرح وتعدیل لکھنے کا طریقہ:

راوی پر مفصل بحث دیکھنے کے لیے اصل مراجع ومصادر کی طرف رجوع کیاجائے مثلا التاریخ الکبیر، الجرح والتعدیل، تاریخ بغداد وغیرہ ان کے ساتھ ساتھ تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب وغیرہ دیکھنی چاہیے۔ لکھنے میں اختصار سے کام لیتے ہوئے تقریب التہذیب کا حوالہ بھی کافی ہوتا ہے کیونکہ تقریب کا حوالہ بطور خلاصہ واعدل الاقوال دیاجاتاہے۔ جزوی اختلاف

[1]بیان الوہم والایہام فی کتاب الاحکام ۴۶۶-۳ ح:۱۲۲۷،نصب الرایہ:۱۹۹-۱. [2] تہذیب التہذیب:۲۲-۱. [3] شروط الائمۃ الستۃ ص:۱۸. [4] دیکھیے:(انہاء السکن ص:۵۶)

تقریب سے ممکن ہے۔اگر بطور ضرورت کسی راوی پر مفصل بحث مطلوب ہے تو اس راوی پر مالہ وماعلیہ بحث لکھ کر اس کا تقابل کرتے ہوئے دلائل اور ائمہ جرح وتعدیل کے مراتب کا خیال کرتے ہوئے راجح قرار دینا چاہیے۔بعض جمہور کا دعوی کرتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں۔

ابوالرجال لقب کی وجہ:

جس کے دس بیٹے ہوں اسے ابوالرجال کہتے ہیں۔یہ بات امام ابن الصلاح نے کہی ہے۔[1]

[ہم نے چند بحوث اپنی دوسری مطبوع کتاب تخریج وتحقیق کے اصول وضوابط سے لی ہے]

رواۃ کے متعلق بعض اہم قواعد:

* کل عاصم فی الدنیا ضعیف[2]

*کل أبی فروۃ ثقۃ إلا أبا فروۃ الخبری[3]

*آل کعب بن مالک کلھم ثقات، کل من رُوی عنہ الحدیث کل من سکت عنہ ابن عیسی فہوثقۃ[4]

تقریب التہذیب کو زبانی یاد کرنے کا طریقہ: بعض طلبہ کا شوق ہوتا ہے کہ وہ رواۃ کو زبانی یاد کریں تاکہ حدیث کو پڑھتے وقت ہر ہر راوی پر جرح و تعدیل کے لحاظ فورا کرتے جائیں جس طرح بعض عرب شیوخ کو تقریب التہذیب زبانی یاد ہے اور ان کی تدریس حدیث بہت متاثر کن ہے۔مختصرا عرض ہے کہ ا۔آپ تخریج وتحقیق کے فن میں کام کریں۔رواۃ پر بحث بار بار دیکھنی پڑھتی ہے اس سے

[1]مقدمہ ابن الصلاح ص:۴۳۷ نوع:۵. [2] شرح علل الترمذی لابن رجب:۳۹۷. [3] ایضا، ۴۹۸. [4] ایضا، ۴۹۹.

رواۃ خود بخود زبانی یاد ہو جاتے ہیں۔

۲۔ضعیف رواۃ کو زبانی یاد کرلیا جائے ان کے علاوہ باقی تمام ثقہ ہیں۔

۳۔مدرسہ کا ماحول ایسا ہو کہ جس میں اساتذہ وطلبہ کے مابین رواۃ پر مذاکرے ہوں۔

۴۔چند باذوق طلبہ ایک گروپ بنالیں روزانہ ایک گھنٹہ رواۃ پر بحث کریں اور ایک دوسرے سے سوال کریں۔

۵۔روزاہ دس راویوں کے نام مع حکم ایک رقعے پر لکھ لیں اور چلتے پھرتے انھیں دیکھا جائے جو ایک دن میں یاد ہوئے ہیں انہیں روزانہ باقاعد گی سے پڑھا جائے۔

۶۔ناممکن کوئی کام نہیں مکمل یکسوئی سے کوئی بھی کام کیا جائے ہو جاتا ہے۔

بعض راویوں کے ناموں کی تحقیق اور ضبط کا بیان[1]

قاعدہ: یہ ہے کہ حدیث کی کتابوں میں ہر جگہ لفظ سلام کو لام کی تشدید کے ساتھ پڑھنا چاہیے، مگر پانچ جگہ لام مشدد نہیں ہے۔

1۔ عبداللہ بن سلام کے والد کانا "سلام" ہے جو علمائے یہود میں زبردست عالم تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ تشریف لانے کے بعد ایمان لائے اور دنیاہی میں جنتی ہونے کی خوشخبری سنی۔

2۔ محمد بن سلام بیکندی کے والد جو امام بخاری کے استاد تھے۔ بیکند، ب کے زیر اور ی کے سکون کے ساتھ ہے، یہ تاشقند کی طرح ایک بستی کا نام ہے اور بخارا کے مضافات میں سے ہے۔

3۔ سلام بن محمد بن ناہض المقدسی، یہ صحاح ستہ کے راویوں میں سے نہیں ہیں، لیکن حافظ ابو طالب اور طبرانی نے ان سے روایت کی ہے اور ان کو سلامہ کے نام سے یاد کیا ہے۔

4۔ محمد بن عبدالوہاب بن سلام مغربی معتزلی کا دادا یہ بھی صحاح ستہ کے راویوں میں سے نہیں ہے۔

[1]یہ بحث عجالۂ نافعہ از شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ سے لی ہے ۔الحسینوی.

5۔ سلام بن ابی الحقیق جو یہودی تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی دشمنی اور عداوت رکھتا تھا، اس کی شرارت اور فساد کا ذکر بہت سی حدیثوں میں آتا ہے۔

ان پانچ ناموں کو تخفیفِ لام کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

قاعدہ: عمارہ جس جگہ بھی ہو گا عین مہملہ کے پیش کے ساتھ ہو گا، مگر ابی بن عمارہ صحابیرضی اللہ عنہ کے والد کا نام عین کی زیر کے ساتھ ہے۔
قاعدہ: کریز جہاں بھی کاف کے زبر سے آئے وہ قبیلہ خزاعہ میں سے ہے اور جہاں کاف کے پیش کے ساتھ آئے گا اور مصغّر ہو گا وہ قبیلہ عبد شمس سے ہے، یعنی جس کا نام کریز ہے اس کا نسب دیکھنا چاہیے اگر خزاعی ہے تو وہ کاف کے زبر کے ساتھ ہے اور عبشمی (قبیلہ عبد شمس سے) ہے تو اُس کو کُریز پڑھنا چاہیے۔

قاعدہ: حزام، اگر اِس نام کا راوی قرشی ہے تو اس کو زائے معجمہ اور حائے مہملہ کے زیر کے ساتھ پڑھنا چاہیے اور اگر انصاری ہے تو حائے مہملہ کے زبر اور رائے مہملہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

قاعدہ: عسل ہر جگہ عین مہملہ اور سین مہملہ کے زیر کے ساتھ ہے، مگر عسل بن ذکوان الاخباری البصری عین اور سین مہملہ کے زبر کے ساتھ ہے۔ البتہ یہ صحیحین کے راویوں میں سے نہیں ہے۔

قاعدہ: غَنّام ہر جگہ غین معجمہ اور نون مشدّد پر زبر کے ساتھ ہے مگر عثام بن علی العامری الکوفی عین مہملہ اور ثائے مثلثہ کی تشدید کے ساتھ ہے اور پہلی قسم سے حضرت غنّام بن اوس رضی اللہ عنہ صحابی بدری کا نام ہے۔

قاعدہ: قمیر ہر جگہ قمر کی تصغیر ہے اور مرد کا نام مگر قمیر مسروق بن الاجدع کی بیوی اور عمرو کی بیٹی کا نام ہے اس کو طویل کے وزن پر پڑھنا چاہیے۔
قاعدہ: مسور ہر جگہ اسم آلہ مِضرَبٌ کے وزن پر ہے مگر دو راویوں کا نام جن سے ایک مسوّر بن یزید صحابی اور دوسرے مسور بن عبدالملک الیربوعی ہیں، ان دونوں کو محمد کے وزن پر پڑھنا چاہیے۔

بعض نسبتوں کا بیان

قاعدہ: جس جگہ بھی لفظ جمال آئے وہ جیم کے ساتھ ہے مگر موسیٰ بن ہارون الحمّال کے باپ کا نام حائے مہملہ کے ساتھ ہے۔

قاعدہ: عبسی اس شکل سے اگر بصریوں کی سندوں میں آجائے تو اس کو عیشی پڑھنا چاہیے، یہ عیش کی طرف نسبت ہے جو موت کی ضد اور اگر کوفیوں کی سندوں میں آئے تو عبسی بائے موحدہ اور سین مہملہ سے پڑھا جائے اور اگر شامیوں کی سندوں میں آئے تو عنسی پڑھنا چاہیے، یعنی بائے موحدہ کے بجائے نون کے ساتھ پڑھیں۔ اِس فن کی ایک پر لطف بات یہ ہے کہ اگر کسی جگہ تصحیف (لفظی تغیّر) ہو جائے تو غلطی شمار نہیں ہوتی، جس طرح سے بھی پڑھ لیں ٹھیک ہے، جیسے عیسیٰ ابن ابی عیسیٰ الحناط اور مسلم حبّاط، اگر ان دونوں کو گندم فروشی کی نسبت کے اعتبار سے حنّاط پڑھیں تو بھی ٹھیک ہے اور اگر حبط فروشی کی حیثیت سے حباط پڑھیں تو بھی صحیح ہے۔ حبط حائے مہملہ اور بائے موحدہ کے زیر کے ساتھ بَبُول کے پتوں کو کہتے ہیں جن کو چوپایوں کے لیے اکٹھا کر کے بیچتے ہیں اور سلائی کے پیشہ کی طرف نسبت کے اعتبار سے اگر خیّاط پڑھیں تو بھی درست ہے کیونکہ ان دونوں راویوں نے یکے بعد دیگرے تینوں پیشے اختیار کیے تھے، لیکن اوّل میں حناط گندم فروشی کی حیثیت سے زیادہ مشہور ہے اور دوسرے میں حباطی یعنی حبط فروش زیادہ معروف ہے۔

دیگر ناموں کا بیان

موطا اور صحیحین میں جہاں بھی یسار آئے گا تو اس کو سین مہملہ سے پہلے یائے تحتیہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے مگر محمد بن بشار کا نام بائے موحدہ اور شین معجمہ کے ساتھ، موصوف امام بخاری اور امام مسلم کے استاد ہیں۔

موطا اور صحیحین میں جہاں لفظ بشر آئے، اس کو بائے موحدہ کے زیر اور شین معجمہ کے ساتھ پڑھنا چاہیے مگر چار راویوں کے نام بائے موحدہ کے پیش اور سین مہملہ کے ساتھ وارد ہیں۔

(1) عبداللہ بن بسر رضی اللہ عنہ صحابیہ۔ (2) بسر بن سعید۔

(3) بسر بن عبید اللہ حضرمی۔ (4) بسر بن محجن۔

ان تینوں کتابوں میں جہاں بھی لفظ بشیر جو بشارت بمعنی خوشخبری سے ماخوذ ہے اس کو طویل کے وزن پر پڑھنا چاہیے، مگر چار راویوں کے نام مصغّر آئے ہیں۔ ان میں سے دو بشیر بن کعب عدوی اور بشیر بن یسار، شین معجمہ کے ساتھ ہیں اور دو سین مہملہ سے وارد ہیں جنھیں یائے تحتیہ کے ساتھ

پڑھنا چاہیے، یسیر بن عمر اور دوسرے کو نون کے ساتھ پڑھنا چاہیے، وہ قطن بن نسیر کے باپ کا نام ہے۔ قاعدہ: یزید کا ہمشکل لفظ جہاں آئے وہ زیادہ سے مضارع معروف غائب کا صیغہ ہے مگر تین راوی:

(1) برید بن عبد اللہ بن ابی بردہ، بائے موحدہ کے پیش اور رائے مہملہ کے فتح کے ساتھ ہے جو برد بمعنی اولہ کی تصغیر ہے۔

(2) محمد بن عرعرۃ بن البِرند کے دادا کا نام ہے جو بائے موحدہ کے زیر اور رائے مہملہ اور نون ساکن کے ساتھ وارد ہے۔ بعض محدثین دونوں (باء اور راء) پر فتح پڑھتے ہیں اور علی بن ہاشم بن البرید کے دادا کا نام بائے موحدہ کے زیر اور یائے تحتیہ کے زیر سے پڑھتے ہیں۔

قاعدہ: جہاں بھی براء آتے اس کو مخفف پڑھنا چاہیے اور اس کی با کو مفتوح سمجھنا چاہیے مگر دو راویوں کے نام۔

ا۔ ابو العالیہ البرّاء ۲۔ ابو معشر البرّاء کو با کے فتح اور را کی تشدید سے پڑھنا چاہیے۔

قاعدہ: حارثہ کی شکل کے نام کو حائے مہملہ، رائے مکسورہ اور ثائے مثلثہ مفتوحہ سے پڑھنا چاہیے مگر چار جگہ جیم، را اور بائے تحتیہ کے ساتھ سمجھنا چاہیے۔

(1) جاریہ بن قدامہ (2) یزید بن جاریہ

(3) عمرو بن سفیان بن اسید بن جاریہ (4) الاسود بن العلاء بن جاریہ

قاعدہ: جریر کی صورت ہر جگہ جیم اور رائے مہملہ کی تکرار کے ساتھ سمجھنی چاہیے مگر دو راویوں کے نام ایسے آئے ہیں جن کے پہلے حائے مہملہ اور زائے منقوطہ ہے۔

(1) حریز بن عثمان الرحبی جو کوفہ کے محلہ رحب کی طرف منسوب ہیں۔

(2) ابو حریز عبد اللہ بن حسین جو عکرمہ سے راوی ہیں۔ قاعدہ: خراش ہر جگہ خائے معجمہ کے ساتھ آیا ہے مگر ربعی بن حراش کے باپ کا نام حائے مہملہ سے وارد ہوا ہے۔ قاعدہ: حصین ہر جگہ مصغر ہے اور صاد مہملہ کے ساتھ ہے مگر ابو حصین عثمان بن عاصم طویل کے وزن پر ہے اور حضین بن المنذر ابو ساسان بصیغۂ تصغیر ضاد معجمہ کے ساتھ ہے۔ حازم ان تینوں کتابوں میں ہر جگہ حائے مہملہ اور زائے منقوطہ کے ساتھ مگر ابو معاویہ محمد بن خازم کا باپ جو ضریر کوفی سے مشہور ہے اور اعمش کا شاگرد ہے وہ خائے معجمہ سے ہے۔ حبّان بن منقذ اور محمد بن یحییٰ بن حبان کا دادا اور حبان بن واسع اور اس کا دادا نیز حبان بن ہلال میں اس جگہ حا پر زبر اور با کو مشدد پڑھنا چاہیے اور حِبّان بن عطیہ، حِبّان بن موسیٰ اور حِبّان بن العرفہ میں حا مکسورہ اور با کو مشدد پڑھنا چاہیے۔ حبیب کو ہر جگہ حائے مہملہ پر زبر اور بائے موحدہ پر زیر کے ساتھ سمجھنا چاہیے۔ یہ حُبٌّ اور محبۃ سے طویل کے وزن پر ہے مگر تین جگہ خائے معجمہ کے پیش کے ساتھ مصغر سمجھنا چاہیے جو خبابت بمعنی دانائی مصدر سے بنایا ہے۔

(1) خبیب بن عدی۔ (2) خبیب بن عبد الرحمن

(3) ابو خبیب حضرت عبد اللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کی کنیت ہے۔

حکیم ہر جگہ حکمت سے طویل کے وزن پر پڑھنا چاہیے مگر رزیق بن حُکیم بن عبد اللہ اور حُکیم بن عبد اللہ حَکَم کی تصغیر ہے۔ رباح ہر جگہ بائے موحدہ اور راکے زیر کے ساتھ ہے، مگر ابو قیس زیاد بن ریاح کے باپ کا نام یائے تحتیہ اور راکے زیر کے ساتھ ہے۔

زُبَید، اِس کو صحیحین میں زائے منقوطہ کے پیش اور بائے موحدہ کے زیر سے پڑھنا چاہیے۔ یہ زبد بمعنی مکھن کی تصغیر ہے اور موطا میں زُبید پڑھنا چاہیے جو مشہور نام زید کی تصغیر ہے۔

سُلیم ان تینوں کتابوں میں ہر جگہ تصغیر کے صیغہ کے ساتھ وارد ہے مگر سلیم بن حیان طویل کے وزن پر ہے۔ سلم ہر جگہ سین کے زبر اور لام کے سکون کے ساتھ آیا ہے۔ شریح ہر جگہ شین معجمہ کے پیش اور آخر میں حائے مہملہ کے ساتھ ہے، مگر تین راوی سین مہملہ اور جیم سے بھی وارد ہیں:

(1) سریج بن یونس (2) سریج بن النعمان

(3) احمد بن ابی سریج

سلیمان ہر جگہ مشہور پیغمبر کا نام ہے، مگر چھ راوی:

(1) سلمان فارسی (2) سلمان بن عامر ضبّی (3) سلمان الاغر (4) عبد الرحمن بن سلمان

(5) ابو حازم، جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں ان کا نام بھی سلمان ہے۔

(6) ابو رجاء حضرت ابو قلابہ کا نام بھی سلمان ہے۔

سلمہ ہر جگہ لام کے زبر کے ساتھ وارد ہے مگر دو جگہ اس کو لام کے زبر کے ساتھ پڑھنا چاہیے۔

(1) عمرو بن سلمہ الجرمی جو بصرہ کی مسجد کا تھا۔

(1) نبو سلمہ جو انصار کا قبیلہ تھا۔

عبیدہ ہر جگہ مصغر آیا ہے مگر چار جگہ:

(1) عَبِیدہ سلمانی جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد تھے۔ (2) عبیدہ بن حمید

(3) عبیدہ بن سفیان (4) عامر بن عبیدۃ الباہلی، مصغر نہیں ہیں۔

عبادہ ہر جگہ عین کے پیش اور بائے موحدہ کے سکون کے ساتھ ہے، مگر محمد بن عبادہ الواسطی جو امام بخاری کے اُستاد ہیں، وہ عین کے زبر کے ساتھ ہے۔ عبدہ ہر جگہ عین کے زبر اور بائے موحدہ کے سکون سے ہے مگر عامر بن عبدہ جو صحیح مسلم کے خطبہ میں وارد ہے اس کو عین اور با دونوں پر زبر کے ساتھ پڑھنا چاہیے، اور اسی طرح نخالہ بن عبادہ بھی ہے۔

عَبَّاد ہر جگہ عین کے زبر اور بائے موحدہ کی تشدید کے ساتھ وارد ہے مگر قیس بن عُباد عین کے پیش اور بائے موحدہ کی تخفیف کے ساتھ آیا ہے۔
عقیل عین کے زبر اور قاف کے زیر کے ساتھ آیا ہے مگر تین راوی مصغر وارد ہیں:

(1) عقیل بن خالد (2) یحیٰی بن عقیل

(3) بنو عقیل مشہور قبیلہ ہے۔

واقد ہر جگہ قاف کے ساتھ ہے۔

نصر اگر لام تعریف کے ساتھ آئے تو ضاد معجمہ سے پڑھنا چاہیے، جیسے ابی النضر اور النضر بن الحارث اور اگر بغیر لام تعریف کے آئے تو صاد مہملہ سے پڑھنا چاہیے، یہ اصطلاحی فرق ہے جو کتابت میں امتیاز کی غرض سے اختیار کیا گیا ہے جیسے عمر اور عمرو میں کیا ہے۔

عبید اور حمید ہر جگہ مصغر ہے۔

ایلی، ایلہ کی طرف منسوب ہے جو حدود شام میں ایک شہر ہے، یہ ہمزہ کے زبر اور یائے تحتیہ کے سکون اور لام کی تخفیف کے ساتھ وارا ہوا ہے۔ یہ اس صورت میں اُبلی سے جو اُبلہ ہمزہ اور بائے موحدہ کے پیش اور لام مشدد سے مشتبہ ہو جاتا ہے لیکن صحیحین میں کوئی راوی اُبلی کی نسبت والا نہیں آیا اور جو ہے بھی تو اس کی نسبت مذکور نہیں ہے، جیسے شیبان بن فروخ کہ ان سے امام مسلم نے روایت کی ہے مگر ان کی نسبت میں لفظ اُبلی ذکر نہیں کیا ہے۔

بزاز ہر جگہ دو زائے منقوطہ سے ہے یعنی کپڑا بیچنے والا۔ یہ بَزّ سے مشتق ہے جو کپڑے کے معنی میں آتا ہے، مگر دو راوی بزار ہیں۔ بزار عربی میں بزر فروش کو کہتے ہیں یعنی تخم فروش کو بولتے ہیں اور ایسے پیشے والے کو ہندی میں پنساری کہتے ہیں۔

البصری ہر جگہ بائے موحدہ کے ساتھ، شہر بصرہ کی طرف نسبت ہے مگر تین راوی نون سے وارد ہیں اور وہ ایک مشہور قبیلہ بنی نصر کی طرف منسوب ہیں۔

(1) مالک بن اوس النصری۔

(2) عبد الواحد بن عبد اللہ النصری

(3) سالم بن فلاں جو نصریین کا مولیٰ (غلام) ہے۔

الثوری ہر جگہ ثائے مثلثہ سے ہے مگر ابو یعلی محمد بن الصلت التوزی جو تائے مثناۃ فوقانیہ اور تشدید واو کے ساتھ ہے، توز کی طرف نسبت ہے جس کے آخر میں زائے منقوطہ ہے۔

جُرَیری ہر جگہ جیم کے ساتھ ہے اور مصغر ہے مگر یحیٰی بن ایوب جریری جیم کے زبر سے وارد ہے اور یحیٰی بن بشر حریری جو بخاری اور مسلم کے استاد ہیں، حائے مہملہ کے زبر سے آئے ہیں، اور حریر (ریشم) کی طرف منسوب ہیں۔

السلمی ہر جگہ لام کے زبر سے آیاہے اور محدثین ان راویوں کو جو انصار کے قبیلہ بنی سلمہ کی طرف منسوب ہیں لام کے زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ الہمدانی، ہر جگہ سکون میم کے ساتھ قبیلہ ہمدان کی طرف منسوب ہے، لیکن ہمدان میم کے زبر سے عراق عجم کے شہروں میں سے ایک شہر کا نام ہے، صحیحین میں اس شہر کی طرف نسبت نہیں آئی ہے۔ فائدہ: محدثین کا یہ قاعدہ ہے کہ وہ راوی کی کنیت، نسبت اور صنعت کا ذکر کرتے ہیں اور ان کی غرض اس عمل سے احتیاط کامل کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ کبھی تو نام مشترک ہوتا ہے اور کبھی فقط کنیت مشترک[1] ہوتی ہے۔ ایسی صورت میں راوی اور غیر راوی میں امتیاز بغیر مبالغہ اور کامل احتیاط برتے نہیں ہو سکتا ہے (لہٰذا ایسی صورت میں کنیت، نسبت اور صنعت کا ذکر

[1]جب دو راوی ہم نام اور ہم عصر ہوں،اور ایک ہی استاد کے شاگر د ہوں تو سخت اشتباہ ہو جاتا ہے۔ محدثین اصطلاح میں اسماء کی ایسی قسم کو جو خط اور لفظ میں ایک ہوتی ہے اور مسمیٰ کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے، المتفق والمفترق کہتے ہیں۔خطیب بغدادی کی اس موضوع پر مستقل کتاب بنام ‘‘تلخیص المتشابہ’’ہے۔

ضروری ہوتا ہے) بلکہ بعض جگہ راوی کا نام اور اس کے باپ کا نام بھی مشترک ہوتا ہے، چنانچہ محدثین نے لکھا ہے کہ خلیل بن احمد نام کے چھ شخص گزرے ہیں اور انس بن مالک نام کے پانچ شخص ہوئے ہیں اور کسی کسی راوی کا نام، اُس کے باپ کا نام اور اس کے دادا کا نام بھی مشترک واقع ہوا ہے، چنانچہ احمد بن جعفر بن احمد ان چار شخص ہیں اور خود ان کا نام اور ان کے باپ کا نام اور ان کے دادا کا نام ایک ہی ہے اور محمد بن یعقوب بن یوسف دو شخص ہیں اور بعض کنیت اور نسبت ایک سی ہوتی ہیں، چنانچہ ابو عمران جونی دو شخص ہیں، ایک کا نام عبد الملک بن حبیب ہے اور دوسرے کا موسیٰ بن سہل ہے اور اسی طرح ابو بکر بن عیاش بھی تین راوی ہیں۔ غرض محدثین کی اِس قدر چھان بین کو بے کار نہیں سمجھنا چاہیے، اُن کا اِس سے مقصد راویوں میں باہم امتیاز کرنے میں پوری پوری احتیار کرنا ہوتا ہے تاکہ ضعیف راوی، ثقہ راوی سے مشتبہ نہ ہو سکے اور اگر دونوں راوی عدالت اور وثوق کی صفت میں برابر ہوں تو اشتباہ مضر نہیں ہوتا۔ لیکن محدثین کے یہاں اس میں امتیاز کے لیے قرائن اور اشارات ہیں مثلاً سفیان ثوری اور سفیان بن عیینہ میں اُن کے شیوخ اور شاگردوں سے تمیز ہوتی ہے اور اگر اُستاد اور شاگرد بھی ہم نام اور ہم نسبت ہوں تو امتیاز نہایت دشوار ہوتا ہے اور ایسے ہی مواقع پر محدث ہونے کا امتحان ہوتا ہے۔ بصرہ میں فن حدیث کے ایک زمانے میں دو امام موجود تھے جنھیں حمادین کہتے ہیں۔

(1) حماد بن زید بن درہم (2) حماد بن سلمہ

لہٰذا صحیحین میں جہاں بھی عارم سے روایت آئے، اس کو حماد سے سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ حماد بن زید ہیں اور اگر... موسیٰ بن اسماعیل تبوذکی راوی ہو گا تو پھر حماد بن سلمہ مراد ہوتا ہے۔

صحیحین میں عبد اللہ بغیر کسی قید کے آئے تو صحابہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مراد ہوتے ہیں اور آئمہ حدیث میں حضرت عبد اللہ بن مبارک۔

ابو جمرہ جیم اور رائے مہملہ سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے شاگرد ہیں اور ابو حمزہ حائے مہملہ اور زائے منقوطہ سے بھی حضرت عبد اللہ بن عباس کا ایک شاگرد (مراد) ہے۔ شعبہ نے ان دونوں سے روایت کی ہے لہٰذا اصطلاح یہ ہے کہ شعبہ جس وقت مطلق ابو جمرہ کہتے ہیں نصر بن عمران مراد ہوتے ہیں جو کہ جیم سے ہیں اور جس وقت وہ نسب سے مقید کرتے ہیں تو ابو حمزہ حائے مہملہ سے مراد ہوتے ہیں، واللہ اعلم۔

کسی جگہ ماں کا نام باپ کے نام سے مشتبہ ہو جاتا ہے لیکن غور وخوض سے پتہ چلتا ہے کہ ماں کا نام ہے اور باپ کا نام نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں معاذ اور معوذ بن ابی عفراء آیا ہے اور حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما دونوں عفراء کے بیٹے ہیں اور اس میں عفراء ان کی ماں کا نام ہے اور ان کے باپ کا نام حارث ہے۔ بعض روایتوں میں بلال رضی اللہ عنہ بن حمامہ آیا ہے، کہ وہ بلال رضی اللہ عنہ بن رباح ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے، ان کی والدہ کا نام حمامہ ہے۔ نیز صحیحین میں عبد اللہ بن بحینہ کا نام آیا ہے، بحینہ ان کی ماں کا نام ہے اور ان کے باپ کا نام مالک ہے اور بعض جگہ اس طرح جمع کر کے کہہ دیا ہے، عبد اللہ بن مالک ابن بحینہ۔ ایسی صورت میں ان کی ماں اور ان کے دادا میں اشتباہ ہو جاتا ہے لہٰذا یہ اصول بنالیا گیا ہے کہ مالک اور بحینہ میں ابن کے الف کو قائم رکھتے ہیں اور گراتے نہیں ہیں تاکہ معلوم رہے کہ یہ عبد اللہ کی صفت ہے مالک کی صفت نہیں ہے۔ اسی طرح محمد ابن الحنفیہ میں ہے کہ ان کے والد بزرگوار حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور حنفیہ ان کی ماں کی طرف نسبت ہے اور ان کا نام خولہ بن جعفر تھا اور جعفر یمامہ اور بنی حنفیہ کے سردار تھے، جس طرح اسماعیل بن عُلیّہ ہے کہ ان کے باپ کا نام ابراہیم ہے۔ ایک شخص کی نسبت اس کے دادا کی طرف کرنا حدیث کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے بلکہ محاورات میں نہایت عام اور مشہور ہے، چنانچہ "انا ابن عبد المطلب" اس کی نہایت واضح دلیل ہے اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ کبھی دادی کی طرف بھی نسبت کر دیتے ہیں، جیسے یعلی بن منیہ... کہ منیہ ان کی دادی کا نام ہے جو اُن کے باپ کی ماں تھیں اور بشیر بن الخصاصیہ بھی اسی طرح سے ہے اور جو دادا سے منسوب ہیں وہ تو بہت ہیں، جیسے ابو عبیدہ بن الجراح کہ ان کے والد کا نام عبد اللہ بن الجراح ہے اور ابن جریج کہ ان کا نام عبد الملک بن نے ان دونوں سے روایت کی ہے لہٰذا اصطلاح یہ ہے کہ شعبہ جس وقت مطلق ابو جمرہ کہتے ہیں نصر بن عمران مراد ہوتے ہیں جو کہ جیم سے ہیں اور جس وقت وہ نسب سے مقید کرتے ہیں تو ابو حمزہ حائے مہملہ سے مراد ہوتے ہیں، واللہ اعلم۔ کسی جگہ ماں کا نام باپ کے نام سے مشتبہ ہو جاتا ہے لیکن غور وخوض سے پتہ چلتا ہے کہ ماں کا نام ہے اور باپ کا نام نہیں ہے جیسا کہ حدیث میں معاذ اور معوذ بن ابی عفراء آیا ہے اور حضرت معاذ اور معوذ رضی اللہ عنہما دونوں عفراء کے بیٹے ہیں اور اس میں عفراء ان کی ماں کا نام ہے اور ان کے باپ کا نام حارث ہے۔ بعض روایتوں میں بلال رضی اللہ عنہ بن حمامہ آیا ہے، کہ وہ بلال رضی اللہ عنہ بن رباح ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے، ان کی والدہ کا نام حمامہ ہے۔ نیز صحیحین میں عبد اللہ بن بحینہ کا نام آیا ہے، بحینہ ان کی ماں کا نام ہے اور ان کے باپ کا نام مالک ہے اور بعض جگہ اس طرح جمع کر کے کہہ دیا ہے، عبد اللہ بن مالک ابن بحینہ۔ ایسی صورت میں ان کی ماں اور ان کے دادا میں اشتباہ ہو جاتا ہے لہٰذا یہ اصول بنالیا گیا ہے کہ مالک اور بحینہ میں ابن کے الف کو قائم رکھتے ہیں اور گراتے نہیں ہیں تاکہ معلوم رہے کہ یہ عبد اللہ کی صفت ہے مالک کی صفت نہیں ہے۔ اسی طرح محمد ابن الحنفیہ میں ہے کہ ان کے والد بزرگوار حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں اور حنفیہ ان کی ماں کی طرف نسبت ہے اور ان کا نام خولہ بن جعفر تھا اور جعفر یمامہ اور بنی حنفیہ کے سردار تھے، جس طرح اسماعیل بن عُلیّہ ہے کہ ان کے باپ کا نام ابراہیم ہے۔

ایک شخص کی نسبت اس کے دادا کی طرف کرنا حدیث کی کتابوں میں بکثرت موجود ہے بلکہ محاورات میں نہایت عام اور مشہور ہے، چنانچہ "انا ابن عبد المطلب" اس کی نہایت واضح دلیل ہے اور اس سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ کبھی دادی کی طرف بھی نسبت کر دیتے ہیں، جیسے یعلی بن منیہ... کہ منیہ ان کی دادی کا نام ہے جو اُن کے باپ کی ماں تھیں اور بشیر بن الخصاصیہ بھی اسی طرح سے ہے اور جو دادا سے منسوب ہیں وہ تو بہت ہیں، جیسے

ابوعبیدہ بن الجراح کہ ان کے والد کا نام عبداللہ بن الجراح ہے اور ابن جریج کہ ان کا نام عبدالملک بن عبدالعزیز جریج ہے اور احمد بن حنبل کہ ان کے والد کا نام محمد ہے اور متبنّی ہونے کی وجہ سے اس شخص کی طرف نسبت کر دیتے ہیں جس کا وہ منہ بولا بیٹا ہوتا ہے، جیسے مقداد رضی اللہ عنہ بن الاسود کہ اصل میں مقداد بن عمرو بن ثعلبہ الکندی ہے، ان کی پرورش چونکہ اسود بن عبدیغوث زہری قرشی نے کی تھی اور اس نے انھیں گود لے لیا تھا اس لیے اس کی طرف نسبت سے مشہور ہو گئے اور اسی طرح حسن بن دینار ہے کہ اصل میں حسن بن واصل ہے اور دینار ان کی ماں کا خاوند تھا۔

دوسرا باب: ائمہ جرح وتعدیل اور ان کی خاص اصطلاحات

پہلی صدی ہجری کے بعض ائمہ جرح وتعدیل

۱: امام سعید بن مسیب (ف ۹۳ھ)

۲: امام سعید بن جبیر (ف ۹۴ھ) یہ دو وہ ائمہ ہیں جن کا ذکر کبار تابعین میں آتا ہے۔

دوسری صدی ہجری کے مشہور ائمہ جرح وتعدیل

۱: امام شعبی (ف ۱۰۳ھ)

۲: امام اوزاعی (۸۸۔۱۵۷ھ)

۳: امام شعبہ بن الحجاج (۸۲۔۱۶۰)

۴: امام سفیان ثوری (۹۷۔۱۶۱ھ)

۵: امام مالک بن انس (۹۳۔۱۷۹ھ)

۶: امام ابن المبارک (۱۱۸۔۱۸۱ھ)

۷: امام سفیان بن عیینہ (۱۰۷۔۱۹۷ھ)

۸: امام یحیی بن سعید القطان (۱۲۰۔۱۹۸ھ) یہ جرح وتعدیل میں متشدد تھے۔

۹: امام عبدالرحمن بن مہدی ۱۳۵ـ۱۹۸ھ) یہ وہ ائمہ ہیں جنہوں نے حسب ضرورت راویوں پر کچھ نہ کچھ جرح وتعدیل کے لحاظ سے بات کی ہے، ان ائمہ میں سے یحیی بن سعید القطان کی رواۃ پر کتاب ہے۔[1] ثقہ اور ضعیف راویوں کے بارے میں لیث بن سعد کی اور ابن المبارک کی تاریخ ملتی ہے۔[2] امام ابن عیینہ کے جرح وتعدیل کے متعلق کافی اقوال مسند حمیدی میں ملتے ہیں۔[1]

سیر اعلام النبلاء:۱۸۳-۹. [2] الفہرست ص:۲۵۲،۲۸۴.

تیسری صدی ہجری کے مشہور ائمہ جرح وتعدیل

۱: امام یحیی بن معین (۱۵۸ـ۲۳۳ھ)

۲: امام علی بن مدینی (۱۶۱ـ۲۳۴ھ)

۳: امام احمد بن حنبل (۱۶۴ـ۲۴۱ھ)

۴: امام دحیم (۱۷۰ـ۲۴۵ھ)

۵: امام الفلاس (۱۶۰ـ۲۴۹ھ)

۶: امام بخاری (۱۹۴ـ۲۵۶)

۷: امام الجوزجانی (ف ۲۵۹ھ)

۸: امام العجلی (۱۸۲ـ۲۶۱ھ)

۹: امام مسلم (۲۰۴ـ۲۶۱ھ)

۱۰: امام ابوزرعہ (۲۰۰ـ۲۶۴ھ)

۱۱: امام ابوحاتم (۱۹۵ـ۲۷۷ھ)

۱۲: امام ابوداود (۲۰۲ـ۲۷۵ھ)

۱۳: امام الفسوی (ف ۲۷۷ھ)

۱۴: امام ترمذی (۲۰۹ـ۲۷۹)

۱۵: امام ابن خراش (ف ۲۸۳ھ)

چوتھی صدی ہجری کے بعض ائمہ جرح وتعدیل

۱: امام نسائی (۲۱۵-۳۰۳ھ)

۲: امام ساجی (ف ۳۰۷ھ)

۳: امام ابن خزیمہ (۲۲۳-۳۱۱ھ)

۴: امام عقیلی (ف ۳۲۲ھ)

۵: امام ابن ابی حاتم (۲۴۰-۳۲۷ھ)

۶: امام ابن عدی (۲۷۷-۳۶۵ھ)

۷: امام ابو احمد الحاکم (ف ۳۷۸ھ)

۸: امام ابن شاہین (۲۹۷-۳۸۵ھ)

۹: امام دار قطنی (۳۰۶-۳۸۵ھ)

۱۰: امام الازدی (ف ۳۹۴ھ)

ائمہ جرح وتعدیل کی اقسام:

متشددین: امام ذہبی، ایک متشدد امام ابن القطان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ یحیی بن سعید رجال کے نقد میں بہت شدید تھے، اگر تم دیکھتے ہو کہ وہ کسی راوی کی توثیق کرتے ہیں تو اس پر اعتماد کرو لیکن اگر وہ کسی کی تضعیف کریں تو انتظار کرو یہاں تک کہ کسی اور کا قول نہ دیکھ لو۔[1]

اس میں امام شعبہ، امام ابن معین، امام ابو حاتم الرازی اور امام دار قطنی بھی شامل ہیں۔ معتدلین: امام ابن مہدی، امام احمد بن حنبل، امام بخاری متساہلین: امام ابن حبان (تفصیل آرہی ہے)، امام حاکم اور امام بزار توثیق میں متساہل تھے۔ امام بزار نے اسماعیل بن مسلم ک ولیس بالقوی کہا ہے حالانکہ وہ متروک ہیں۔ جریر بن ایوب کو امام بزار نے لیس بالحافظ کہا حالانکہ امام بخاری، ابو حاتم، ابوزرعہ اور عقیلی نے منکر الحدیث کہا ہے۔[2]

[1]سیر اعلام النبلاء:۱۸۳-۹. [2] تفصیل کے لیے دیکھیں:نثل النبال بمعجم الرجال از محدث العصر ابواسحاق الحوینی حفظہ اللہ:۴۰۰-۴-۲۰۲-۴.

بعض ائمہ جرح وتعدیل کی خاص اصطلاحات:

امام ابو حاتم الرازی کی خاص اصطلاحات:

لایحتج بہ:

امام ذھبی فرماتے ہیں: امام ابوحاتم جب کسی راوی کو کمزور کہیں اور فرمائیں: لایحتج بہ۔ تو تم اس پر توقف کرو حتی کہ تم دیکھ لو کہ دوسرے محدثین نے کیا کہا ہے؟ اگر کسی نے اس کو ثقہ کہا ہے تو ابوحاتم کی جرح پر بنیاد نہ رکھو کیونکہ وہ متشدد ہیں۔ انہوں نے صحاح کی ایک جماعت کے بارے میں لیس بحجۃ، لیس بالقوی وغیرہ کہا ہے۔[1]

علامہ زیلعی لکھتے ہیں: ابوحاتم کا قول لایحتج بہ غیر قادح ہے۔ وہ یہ لفظ بلا بیانِ سبب صحیحین کے اکثر رجال پر بھی بولتے ہیں جیسا کہ خالد الحذاء وغیرہ ہیں۔[2]

خلاصہ المرام یہی ہے کہ ''لیس بحجۃ "ہونا اس کے صدوق بلکہ ثقہ ہونے کے منافی نہیں بلکہ یہ جرح لیس بالقوی کے لفظ سے بھی نرم ہے۔ مزید دیکھیے امام ابوحاتم، ابواسرائیل الملائی کے متعلق فرماتے ہیں: لایحتج بہ حسن الحدیث۔[3]

ایک راوی کو لایحتج بہ بھی کہہ رہے ہیں اور ساتھ اس کی حدیث کو حسن بھی کہہ رہے ہیں۔ امام ابن ابی حاتم نے کہا کہ میں نے اپنے والد محترم سے پوچھا کہ لایحتج کے کیا معنی ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: کہ وہ حافظ نہیں۔ حدیث بیان کرتے ہیں تو خطا کر جاتے ہیں۔ ان کی احادیث میں اضطراب پایا جاتا ہے۔[4]

علی یدی عدل: یہ الفاظ امام ابوحاتم کے نزدیک تعدیل نہیں بلکہ راوی کی تضعیف کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ یہی الفاظ انہوں نے جبارۃ بن مغلس کے بارے میں

[1]السیر:۲۶۰-۱۳. [2] نصب الرایہ:۴۳۹-۲. [3] الجرح و التعدیل:ج۱-ق۱-ص۱۱۶. [4] الجرح و التعدیل:ج۱-ق۱-ص۱۳۳تفصیل کے لیے دیکھیے: توضیح الکلام(ص:۲۲۰-۲۲۱)

کہے ہیں، ان کے الفاظ ہیں:" ہو علی یدی عدل مثل القاسم بن ابی شیبۃ ''[1] جبارہ بن مغلس اور قاسم بن محمد بن ابی شیبہ دونوں سخت ضعیف راوی ہیں۔ یاد رہے علی یدی عدل کا ترجمہ وہ میرے نزدیک عادل ہے کرنا بالکل غلط ہے۔ امام ابوحاتم عمر بن حفص ابو حفص العبدی کے بارے میں فرماتے ہیں:''ضعیف الحدیث لیس بقوی ہو علی یدی عدل ''[2] غور فرمائیے اگر ہو علی یدی عدل کے معنی یہ ہیں کہ وہ میرے نزدیک عادل ہیں تو پھر اسے ضعیف الحدیث لیس بقوی کہنے کا کیا مقصد ہے۔ حافظ ابن حجر اس اصطلاح کے بارے میں فرماتے ہیں:" قولہ: علی یدی عدل، معناہ قرب من الھلاکۃ۔''[3] ان کا یہ کہنا کہ وہ" علی یدی عدل "ہے اس کے معنی ہیں کہ وہ" ہلاک "ہونے کے قریب ہے۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ بعض نے سمجھا ہے کہ یہ الفاظ توثیق میں سے ہیں مگر انہوں نے یہ صحیح نہیں سمجھا۔[4]

امام ابن معین کی خاص اصطلاحات:

لیس بشیء:

یہ کلمات عموماجرح پر، بلکہ شدید جرح پر دلالت کرتے ہیں۔ڈاکٹر احمد نور سیف نے اس اصطلاح کی جو تحقیق کی ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے: اس کا اطلاق اس ضعیف راوی پر بھی ہو تا ہے جس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی۔ جو متروک الحدیث ہے اور اس کی حدیث نہیں لکھی جائے گی۔ بعض راویوں کی روایت ایک حالت میں مقبول ہو گی اور دوسری کیفیت میں مسترد ہو گی، اس کی حدیث لکھی جائے گی۔اس جرح کے ساتھ امام ابن معین ''ضعیف'' کی جرح بھی ذکر کرتے ہیں۔

[1]الجرح و التعدیل:۵۵۰-۱. [2] الجرح و التعدیل:۱۰۳-۳. [3] تہذیب التہذیب:۱۴۲-۹. [4] تہذیب التہذیب:۱۴۲-۹ نیز دیکھیے: شرح الفاظ التجریح النادرۃ او قلیلۃ الاستعمال (۳۷-۱-۴۲)مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں (ص:۳۴-۳۷)

ایساراوی اپنی حدیث میں کثیر الغلط ہو تا ہے، اسے صحیح ضبط نہیں کر سکتا۔[1]

لیس بہ بأس:

امام ابن ابی خیثمہ نے کہا کہ میں نے امام ابن معین سے پوچھا کہ آپ کہتے ہیں: فلان لیس بہ باس اور فلان ضعیف ؟تو امام ابن معین نے کہا: کہ جب میں آپ کو کسی راوی کے بارے میں بتاؤں:لیس بہ بأس۔تو اس سے مراد ہے کہ وہ ثقہ راوی ہے اور جب میں کسی کو ضعیف کہوں تو اس سے مراد ہے کہ وہ ثقہ نہیں،اس کی روایت سے حجت نہیں پکڑی جائے گی۔[2]

لا اعرفہ:امام ابن عدی فرماتے ہیں کہ جس راوی کو امام ابن معین کہیں:لا اعرفہ۔تو وہ مجہول غیر معروف ہے۔کسی دوسرے کی معرفت پر اعتماد نہیں کیا جائے گا۔[3] اس پر حافظ ابن حجر تبصرہ فرماتے ہیں کہ یہ ہر حالت میں نہیں چلے گا، کتنے ایسے راوی ہیں جن کو ابن معین نہیں جانتے بلکہ دوسرے محدثین انھیں جانتے ہیں(تو جو جانتے ہیں ان کی بات مانی جائے گی۔)[4]

امام بخاری کی خاص اصطلاحات:

امام بخاری کا تاریخ کبیر میں اپنا خاص منہج ہے جس کو سمجھنا نہایت ضروری ہے، تاکہ التاریخ الکبیر پڑھتے وقت کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

علامہ معلمی یمانی فرماتے ہیں: امام بخاری کا التاریخ الکبیر میں کسی حدیث کو بیان کرنا اسے کچھ فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اس کو نقصان پہنچاتا ہے کیونکہ امام صاحب التاریخ میں حدیث اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ وہ اس کے راوی (صاحب ترجمہ) کی کمزوری پر دلالت کرے۔[5]

[1]دراسۃ التاریخ لابن معین -۱۱۶-۱-۱۱۹ بحوالہ الاعتصام ۲۴ تا ۳۰ مارچ ۲۰۱۷ء. [2] تاریخ اسماء الثقات لابن شاہین:۱۶۵۳،الکفایۃ:۲۲-۱،مقدمہ ابن الصلاح:۱۲۴-۱. [3] الکامل فی الضعفاء:۱۱۲۵. [4] تہذیب الت

فیہ نظر: یہ تین معنوں کے لیے استعمال ہوا ہے: پہلا معنی: جس راوی کے متعلق امام بخاری ''فیہ نظر'' کہیں، اس سے مراد ہے کہ وہ راوی پر جرح کر رہے ہیں۔ بعض دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر بھی ''فیہ نظر'' لکھ دیتے ہیں تو اس سے مراد صحابی پر جرح نہیں بلکہ اس سے مروی روایت پر جرح مقصود ہے۔[1]

دوسرا معنی: بعض دفعہ فیہ نظر،فی حدیثہ نظر کے معنی میں بھی ہو تا ہے۔امام بخاری نے کہا:فلان اذا قلت فی حدیثہ نظر فہو متہم واہ۔[2]

امام البانی رحمہ اللہ بھی ان دونوں الفاظ میں فرق نہیں کرتے۔[3] استاد محترم حافظ زبیر علی زئی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"امام بخاری سے فیہ نظر کا قول نقل کیا گیا ہے لیکن یہ طائفی پر جرح نہیں بلکہ ان کی بیان کردہ ایک ضعیف السند روایت پر جرح ہے۔یعنی فی حدیثہ نظر۔"[4] اس مسئلہ پر تفصیلی مقالہ شیخ سعد بن ضیدان السبیعی نے لکھا ہے جو المجلس العلمی ویب سائٹ پر الفاظ الامام البخاری کے نام سے دیکھا جاسکتا ہے۔ تیسرا معنی: بعض نے لکھا ہے کہ اس سے مراد ضعف خفیف ہے۔امام بخاری کے فیہ نظر سے یہ مراد امام ترمذی، امام ابن عدی اور امام ابن حجر نے لی ہے جس کی تفصیل حاتم شریف العونی نے اپنی کتاب" التخریج و دراسۃ الاسانید "میں لکھی ہے۔فی حدیثہ نظر:اس کی حدیث میں نظر ہے۔بعض ان الفاظ کا معنی کرتے ہیں:فیہ نظر کہ اس میں نظر ہے یعنی وہ" فی حدیثہ نظر " اور" فیہ نظر "دونوں کو ایک سمجھتے ہیں جو کہ درست نہیں۔ان دونوں اصطلاحات کے درمیان فرق ہے۔فی حدیثہ نظر سے مراد راوی کی روایت پر جرح مقصود ہوتی ہے راوی فی نفسہ ثقہ اور صالح ہوتا ہے

[1]نیز دیکھیں:حا شیہ الر فع والتکیمل (ص۳۹۲). [2] سیر اعلام النبلاء:۴۴۱-۱۲. [3] دیکھیے:الضعیفہ:۱۴۱-۴، ۹۷۵-۱۲،۲۳-۱۱. [4] علمی مقالات:۲-۵

جب کہ فیہ نظر میں راوی کی صداقت پر کلام ہوتا ہے[1]۔

فی اسنادہ نظر: امام بخاری یہ جملہ بھی استعمال کرتے ہیں اس سے مراد وہ راوی ضعیف نہیں بلکہ اس کی طرف منسوب سند میں ضعف ہے۔جس طرح محدث مآربی نے کہا ہے۔[2] دکتور مسفر الدمینی نے "قول البخاری فیہ نظر" کے نام سے اپنے مقالے میں ان الفاظ پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

منکر الحدیث: یہ سخت جرح ہے، امام بخاری کے نزدیک اس طرح کے راوی سے روایت لینا حلال نہیں۔

کسی راوی پر سکوت:

امام بخاری اپنی کتاب "التا ریخ الکبیر " میں جس راوی پر خاموشی اختیار کریں، اس پر بحث و تحقیق دیگر محدثین کے اقوال کی روشنی سے کریں گے نہ کہ امام بخاری کے خاموش رہنے کی وجہ سے اس راوی کے ثقہ یا ضعیف ہونے پر استدلال کیا جائے گا، جس طرح فرقِ باطلہ کرتے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ راوی ہی اس قدر جلیل القدر تھا کہ اس کے مقام کی وجہ سے اس پر خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا، کسی نے کہا کہ جس پر امام بخاری خاموشی اختیار کریں وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے وغیرہ، یہ باتیں درست نہیں۔ شیخ العرب والعجم امام بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں::"اس اصول کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ خود امام بخاری نے تاریخ میں متعدد ایسے راویوں پر سکوت کیا ہے جن پر انہوں نے اپنی دوسری کتابوں میں جرح کی ہے، مثلاً تاریخ میں انہوں نے حسبِ ذیل افراد کا ذکر کیا ہے:" الحا رث بن نعما ن، الصلت بن مہرا ن التیمی،الکو فی ابو ہا شم،عبد اللہ بن معا ویہ،الزبیر بن

[1]التنکیل:۲۰۵-۱نیز دیکھیے:حاشیہ قواعد علوم الحدیث:۲۵۴-۲۵۸،مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینہ میں ص:۳۹-۴۰. [2] اتحاف النبیل باسئلۃ و اجوبۃ الفاظ الجرح والتعدیل:۳۸۹-۱.

عوا م الاسدی البصری،عبد اللہ بن محمد بن عجلا ن مو لی فا طمۃ بنت عتبۃ القر شی، عبدالرحمن بن زیا د بن انعم افریقی،عبد الو ھا ب بن عطا ء الخفا ف، عمر ان العمی، عا صم بن عبیداللہ العمری،معا ویہ الثقفی، ابو عبد الرحمن بصری، مختا ر بن نا فع ابو اسحا ق التیمی،نصر بن حما د بن عجلا ن،یحیی

بن ابی سلیمان المدنی،یحیی بن محمد الجا ری،ان کے بارے میں انہوں نے کوئی کلام نہیں کیانہ جرح کی،مگر ان کو الضعفاء میں ذکر کیااور ان پر جرح کی۔"[1]

اس بحث پر ایک مفصل رسالہ'' رواۃ الحدیث الذین سکت علیھم ائمۃ الجرح والتعدیل بین التو ثیق والتجھیل۔از شیخ عد اب محمو د "ہے تفصیل کا طالب اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔امام ابن عدی نے امام بخاری کے سکوت پر کئی مقامات پر تبصرہ کیاہے۔[2] امام ابن عدی ایک مقام پر کہتے ہیں کہ امام بخاری کی خاموشی سے نہ توثیق مراد ہے اور نہ ضعف۔ان کا مقصد تھا کہ تاریخ میں زیادہ سے زیادہ نام جمع ہو جائیں۔[3]

امام بخاری کی اخطاءواوہام پر تنقید:

امام ابوزرعہ الرازی نے امام بخاری کی التاریخ الکبیر کے اوہام واخطا کا تعاقب کیا جیسا کہ ان کے شاگرد امام ابن ابی حاتم نے "بیان خطاء البخاری" میں ان اوہام واخطاء کا ذکر کیاہے۔اسی طرح کئی ایک باتیں میں بھی ملتی ہیں۔لیکن اس میں حق کس کے ساتھ ہے؟ یہ الگ مسئلہ ہے۔

[1]نقض قوا عد علو م الحدیث ص:۲۱۴. [2] دیکھئے:الکامل فی الضعفاء (رقم:۵۴،۱۲۷۴،۴۸۵۔۱۲۶۱،۱). [3] الکامل فی الضعفاء رقم:۱۲۶۱.

امام ابن عدی کی خاص اصطلاحات:

فلان حسن الحدیث: جو ایک یادوبار غلطی کرے۔مثلاایک راوی کے بارے کہتے ہیں: مع لینہ وھو حسن الحدیث۔[1]

فلان صدوق:راوی سے اگر کچھ حافظے کی خرابی کی وجہ سے غلطیاں واقع ہو جائیں تو اس کے لیے یہ حکم صادر فرماتے ہیں۔مثلا لکھتے ہیں:وانما اتی ھذا من سوء حفظہ فیغلط و یخطیء، وھوفی الاصل کما قال ابن معین:صدوق ولیس بحجۃ۔[2]

فلان لابأس بہ: ایساراوی جس کی اکثر روایات صحیح ہوں لیکن اس کی احادیث میں غلطیاں پائی جائیں لیکن اس کی کوئی روایت منکر نہ ہو تو اس کولاباس بہ کہتے ہیں۔[3]

فائدہ: اس سے واضح ہوا کہ امام ابن عدی کے نزدیک فلان صدوق، فلان حسن الحدیث اور فلان لابأس بہ اصطلاحات ایک دوسرے کے قریب ہیں۔[4]

فلان تقبل بفلان: یہ اصطلاح ایسے راوی کے بارے میں استعمال کرتے ہیں جس کو محدثین اس کے مشہور شیخ سے بیان کرنے کی وجہ سے قبول کیا ہے۔مثلاایک راوی کے بارے لکھتے ہیں:وموسی قد یقبل باخیہ۔[5

] روی حدیثا معضلا: امام ابن عدی نے اس اصطلاح کو کئی ایک تراجم میں استعمال کیا ہے اور ان کا اس سے مقصود اصطلاحی معضل نہیں ہے۔ بلکہ یہاں ضاد کے کسر کے ساتھ ہے۔ جس سے مراد المستغلق الشدید ہے۔[6]

{1}الکامل:۱۳۲۶. [2] الکامل:۷۵۰. [3] مثلا دیکھیے الکامل(۱۸۵۸،۱۸۳۷). [4] نیز دیکھیے:مقدمہ لسان المیزان(۱۷-۱). [5] الکامل:۲۸۱. [6] النکت لابن حجر ص: 221.

تیسرا باب: ائمہ جرح وتعدیل کے حالات اور کتب جرح وتعدیل کا منہج

امام ذہبی نے اپنی کتاب ''ذکر من یعتمد قولہ فی الجرح والتعدیل ''میں ان محدثین کے ناموں کو نقل کیا ہے جنھوں نے رواۃ پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے کلام کیا ہے، کلام کم ہو یا زیادہ۔ اس کتاب میں انہوں نے بائیس طبقات بنائے ہیں آخری طبقہ اپنے شیوخ کا بنایا ہے۔ اس کتاب میں کل ائمہ جرح وتعدیل ۷۱۵ ہیں۔ اس کتاب کے شروع میں مختصر مقدمہ بھی ہے جس میں ائمہ جرح وتعدیل کی اقسام متشدد، معتدل اور متساہل ہونے کے اعتبار سے لکھی گئی ہیں۔ اس باب میں چند ایک مشہور ائمہ جرح وتعدیل کا تذکرہ کیا جارہا ہے۔

۱: امام یحیی بن معین:

آپ کا مکمل نام: أبوزکریا یحیی بن معین بن عون بن زیاد بن بِسْطام بن عبد الرحمن المری الغَطَفانی، البغدادی ہے۔ ولادت: آپ ابو جعفر منصور کی خلافت میں ۱۵۸ھ میں بغداد کی نقیا نامی بستی میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم عبداللہ بن مالک کے کاتب تھے انہوں نے دس لاکھ پچاس ہزار درہم چھوڑا آپ نے تمام کا تمام طلبِ حدیث پر لگادیا۔(وفیات الاعیان:۶/ ۱۴۰،۳۹)

شیوخ: آپ نے بہت زیادہ شیوخ سے علم حاصل کیا آپ کے مشہور اساتذہ امام سفیان بن عیینہ، امام وکیع، امام ابن المبارک، امام یحیی القطان، امام ابن مہدی وغیرہ ہیں۔

تلامذہ: امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود سجستانی، امام ابوزرعہ، امام ابوحاتم، امام ابوزرعہ دمشقی، امام ابویعلی الموصلی، امام ابن ابی خیثمہ، امام عبداللہ بن احمد بن حنبل۔ وغیرہ

لقب: الامام، الحافظ، الحجۃ الثبت، شیخ الاسلام، امیر المؤمنین فی الحدیث کے القاب سے پکارے گئے۔

عقیدہ: آپ عقیدہ اہل السنہ پر قائم تھے۔ آپ خلق قرآن کے مسئلے میں ناپسندیدگی اور مجبوری کی بنا پر قائل ہوئے تھے، دل آپ کا قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ہی مطمئن تھا۔ آپ کے شاگرد دوری فرماتے ہیں کہ آپ نے کہا:القرآن کلام اللہ ولیس بمخلوق-[1] اور آپ نے کہا:الایمان یزید و ینقص قول وعمل[2]

حق گو تھے: آپ نے ہمیشہ حق کہا خواہ وہ بات اپنے شیخ کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ آپ بہت سخت تھے لیکن سختی بلاوجہ نہیں تھی بلکہ کسی سبب کے پیش نظر سخت تھے۔ آپ نے یوسف بن خالد السمتی کے بارے میں کہا:زندیق کذاب لایکتب عنہ شیء۔" ابوحاتم رازی نے کہا کہ میں نے ابن معین کا ان کو زندیق کہنے کا انکار کیا یہاں تک کہ وہ میرے پاس ایک کتاب لائے جو اس نے ایک ایک باب کر کے تجہم کے بارے میں

وضع کی تھی۔ وہ روز قیامت میزان کا انکار کرتا تھا۔ تو میں نے جان لیا کہ بے شک ابن معین بصیرت اور فہم پر ہی کسی راوی پر جرح کرتے ہیں اور سمتی واقعتا''ذاھب الحدیث ''تھا۔[3]

امام ابن معین نے من گھڑت صحیفۂ معمر زبانی یاد کیا تھا وجہ یہ بتاتے کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ جھوٹا صحیفہ ہے لیکن کوئی جب اس سے روایت بیان کرے گا میں فورا اس کا انکار کر سکوں گا۔[4]

مقام و مرتبہ: امام ابن معین جرح وتعدیل اور علل میں اپنے زمانے کے بے مثال محدث تھے۔ ان کے بارے میں امام احمد بن حنبل نے کہا: یہاں ایک آدمی ہے جس کو اللہ تعالی نے اس شان کے لیے پیدا کیا ہے وہ کذاب راویوں کے جھوٹ کو ظاہر کرتا ہے۔ وہ ابن

[1]تاریخ الدوری:۱۶۱۹. [2] ایضا:۴۹۳۷،۲۲۸۰. [3] الجرح والتعدیل: ۹(۹۲۵)،تہذیب الکمال:۳(۷۱۳۴ [4] تہذیب الکمال:۶۹۲۶.

معین مراد لیتے تھے۔[1] اور یہ بھی کہا کہ جس حدیث کو ابن معین نہیں جانتا وہ حدیث نہیں ہے ایک روایت میں ہے وہ روایت ثابت نہیں ہے۔(ایضا) صالح الجزرہ نے کہا: ابن معین رجال اور کنیتوں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔[2]

تصانیف:

امام ابن معین کے دل میں کتابتِ حدیث کی محبت ڈال دی گئی، آپ حدیث کے طرق کو جمع کرنا اور اس کی علل پر اطلاع پانا پسند کرتے تھے۔ آپ کا مشغلہ رجال پر نقد تھا چونکہ ان کے پاس لکھنے کا وقت بھی نہیں ہوتا تھا اسی لیے آپ کے کئی ایک شاگردوں نے رواۃ اور عللِ حدیث کے بارے میں سؤالات کیے جو کتابی شکل میں مطبوع ہیں۔ آگے ان کتب کے منہج پر بحث آ رہی ہے۔

وفات: آپ مدینہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ذوالقعدہ ۲۳۳ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کی میت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی پر رکھا گیا۔[3] امام ابوحاتم الرازی فرماتے ہیں: ابن معین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں فوت ہوئے اور انھیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی پر رکھا گیا اور بہت سارے لوگ ان کے جنازے میں شریک ہوئے اور ایک آدمی کہہ رہا تھا: هذه جنازة يحيى بن معين الذاب عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الكذب والناس يبكون۔''لوگو! یہ یحیی بن معین کا جنازہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بولے جانے والے جھوٹ کا دفاع کرنے والا تھا۔ اور لوگ رو رہے تھے۔[4] تاریخ بغداد کے مذکورہ صفحے کو غور سے پڑھا جائے۔ سبحان اللہ اس میں ایمان تازہ کرنے والی باتیں ذکر ہیں۔

امام ابن معین رحمہ اللہ کی کتبِ جرح وتعدیل کا منہج

امام ابن معین کا مشغلہ رجال پر نقد تھا چونکہ ان کے پاس لکھنے کا وقت بھی نہیں ہوتا تھا اسی

[1]تاریخ بغداد:۱۸۰-۱۴. [2] تاریخ بغداد:۱۷۹-۱۴. [3] التاریخ الاوسط للبخاری:۲۵۴-۲. [4] تقدمۃ المعرفۃ:۳۱۷،مقدمۃ المجروجین لابن حبان:۱-۵۶،تاریخ بغداد:۱۸۶-۱۴.

لیے آپ کے کئی ایک شاگردوں نے رواۃ اور علل حدیث کے بارے میں سوالات کیے جو کتابی شکل میں مطبوع ہیں۔ مشہور شاگردوں میں سے جنہوں نے آپ سے سؤالات کیے وہ درج ذیل ہیں۔ یہ اکثر سؤالات رجال کے متعلق ہیں۔

۱:روایۃ العباس بن محمد الدوری

۲:روایۃ عثمان بن سعید الدارمی

۳:روایۃ یزید بن ہیثم بن طہمان الدقاق

۴:روایۃ ابراہیم بن عبد اللہ الجنید الختلی

۵:روایۃ ابی العباس احمد بن محمد بن قاسم بن محرز

۶:روایۃ ابی بکر بن ابی خیثمہ احمد بن زہیر بن حرب

۷:روایۃ عثمان بن طالوت الصیرفی البصری

۸:روایۃ اسحاق بن منصور الکوسج

۹:روایۃ عبد اللہ بن احمد الدورقی

۱۰:روایۃ المفضل بن غسان الغلابی

۱۱:روایۃ احمد بن سعد بن ابی مریم

۱۲:روایۃ معاویۃ بن صالح

۱۳:روایۃ محمد بن عبد اللہ البرقی

۱۴:روایۃ ابی داود سلیمان بن اشعث السجستانی

۱۵:روایۃ عبد اللہ بن احمد بن حنبل

دکتور شادی نعمان حفظہ اللہ کے سامنے امام ابن معین سے کیے گئے سؤالات پر مشتمل سات کتب تھیں۔ جوانہوں نے دیگر کتبِ سؤالات کے ساتھ''جامع السؤلات الحدیثیہ'' میں جمع کردی ہیں یہ نوجلدوں میں کتاب ہے تمام کتبِ سؤالات کو حروفی تہجی کے اعتبار سے جمع کردیا ہے۔فجزاہ اللہ خیرا

ہمارے سامنے امام ابن معین کے شاگردوں کی ترتیب کردہ سؤالات و جوابات پر مشتمل چھ کتب ہیں۔ یہاں ان کا منہج پیشِ خدمت ہے۔

۱ :التاریخ لیحیی بن معین روایۃ الدوری

یہ کتاب دو جلدوں پر مشتمل ہے۔اس میں کل رواۃ جن پر بحث کی گئی ہے ان کی تعداد ۵۴۱۴ ہے۔امام ابن معین کے ساتھ سب سے زیادہ عرصہ امام دوری ہی رہے۔ جب بھی کسی راوی کے بارے میں امام ابن معین کی آراء مختلف ہو جائیں توامام دوری کی روایت معتبر ہوتی ہے۔

اس کتاب کی ترتیب درج ذیل ہے۔ پہلے صحابۂ کرام کے بارے میں امام ابن معین کی آراء ذکر کی ہیں مثلا اس کتاب کی پہلی روایت ہی یہ ہے کہ دوری فرماتے ہیں میں نے ابن معین سے سناوہ کہہ رہے تھے:ابو بکر صدیق کانام عبداللہ بن عثمان ہے۔

پھر تابعیوں کے بارے میں آراء

پھر اہل مکہ، اہل طائف اور اہل یمن کے بارے میں امام ابن معین کی آراء نقل کی گئی ہیں۔

پھر اہل کوفہ کے بارے

پھر اہل بصرہ

پھر اہل خراسان

پھر اہل واسط،بغداد وغیرہ۔

پھر واسط پھر اہل شام،اہل مصر اور اہل جزیرہ کے بارے میں

اور آخر میں رسالۃ اللیث بن سعد الی مالک بن انس

رسالۃ مالک الی اللیث بن سعد

اس کتاب میں امام دوری نے نہ ابواب قائم کیے اور نہ فصول۔ انہوں نے ہماری پیش کردہ ترتیب کے مطابق ہی رواۃ کو جمع کیا ہے اس کتاب کے محقق شیخ ابو عمر محمد بن علی الازھری حفظہ اللہ نے اپنی طرف سے عناوین قائم کیے ہیں۔ فجزاہ اللہ خیرا۔

امام دوری نے ہر اس بات کو نقل کیا جو خود سنی ہے اور امام ابن معین سے سب سے زیادہ اقوال جرح وتعدیل کو نقل کرنے والے امام دوری ہی ہیں۔

۲:معرفۃ الرجال لابن معین روایۃ ابی العباس ابن محرز البغدادی

یہ کتاب ایک جلد پر مشتمل ہے اس میں کل روایات ۱۸۰۲ ہیں اس کتاب کا منہج درج ذیل ہے۔

ابن محرز البغدادی نے اس کتاب میں ابواب اور فصول قائم نہیں کیں لیکن جس ترتیب سے رواۃ کو جمع کیا ہے وہ درج ذیل ہے

کذابین، متروکین اور ضعفاء کا تذکرہ صفحہ:۳۰ تا ۱۰۹

جن کو ابن معین نے نہیں پہچانا ان کا تذکرہ صفحہ:۱۰۹۔۱۳۳

جن کو امام ابن معین نے ثقہ کہا ہے ان کا تذکرہ صفحہ:۱۳۳ تا ۱۶۴

جن کو اوثق الناس یا فلان اوثق من فلان کہا ہے۔ صفحہ:۱۶۴ تا ۱۷۷

فصل فی المراسیل صفحہ: ۱۷۷ تا ۱۹۲۔ آگے جا کر فصل فی الکنی فصل فی الوفیات وغیرہ کا ذکر ہے۔

۳:سؤالات ابی اسحاق ابراہیم بن الجنید لابن معین

اس کتاب میں کل روایات ۹۳۶ ہیں۔ اس میں متفرق بحوث ہیں۔ کئی رواۃ پر بحث ہے اور کئی احادیث پر علل کے سوالات وجوابات موجود ہیں۔

۴:من کلام ابی زکریا یحیی بن معین فی الرجال روایۃ ابی خالد الدقاق یزید بن الھیثم بن طھمان

اس کتاب میں کل روایات ۴۰۷ ہیں اور منہج کوئی معین نہیں ہے۔

۵:سؤالات عثمان بن طالوت البصری لابن معین

۶۷ روایات پر مشتمل یہ رسالہ ہے۔ یہ مختلف غیر معین سوالات کے جوابات ہیں۔

۶:تاریخ عثمان بن سعید الدارمی عن ابن معین فی تخریج الرواۃ و تعدیلہم

اس میں کل ۹۷۵ روایات ہیں۔ یہ سؤالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا منہج خاص ہے مثلا:

اصحاب الزہری

اصحاب قتادہ

اصحاب الاعمش

اصحاب ایوب السختیانی

اصحاب عمرو بن دینار

اصحاب الشعبی

اصحاب ابراہیم النخعی

اصحاب ابی اسحاق السبیعی

اصحاب منصور بن المعتمر

اصحاب شعبہ بن الحجاج

پھر حروف تہجی کے اعتبار سے رواۃ پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے لمبی فہرست ہے۔

کتب سؤالات کی اہمیت:

امام ابن معین کے کئی ایک اقوال توثیق یا تضعیف سے متعلق کتب سؤالات میں موجود ہیں لیکن وہ اقوال علامہ مزی، علامہ ذہبی اور علامہ ابن حجر کے سامنے نہیں تھے۔ یہ اقوال سامنے نہ ہونے کی وجہ سے ان محدثین سے بعض رواۃ پر راجح قول لکھنے میں غلطی ہوئی ہے۔ ذیل میں ہم اس کی دس مثالیں پیش کر رہے ہیں۔ ۱: شمیسة بنت عزیز بن عامر العتکیة البصریة، ابن معین نے کہا:ثقہ۔[1] علامہ مزی اور ابن حجر کے سامنے یہ توثیق نہیں تھی اسی وجہ سے ابن حجر نے کہا: مقبول۔[2] اگر ابن حجر کے سامنے امام ابن معین کی توثیق ہوتی تو وہ کبھی شمیسہ راویہ کو مقبول نہ کہتے۔

۲: عبدالرحمن الجرمی، ابن معین نے کہا: ثقہ۔[3] ابن حجر نے کہا: مقبول۔[4]

۳: عبداللہ بن ابی سلیمان، ابن معین نے کہا: ثقہ۔[5] ابن حجر نے کہا: صدوق۔[6] تہذیب میں صرف ابو حاتم کا قول شیخ لکھا ہے اور یہ کہ اس کو ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔ ابن معین کی توثیق سامنے ہوتی تو اس راوی کو صدوق کی بجائے ثقہ کہتے۔

۴: مرّی بن قطری، ابن معین نے کہا: ثقہ۔[7] ابن حجر نے کہا: مقبول۔[8]

۵: ابو العدبَّس، ابن معین نے کہا: ثقہ۔[9] ابن حجر نے کہا: مجہول۔[10]

٦: ابو العنبس۔ ابن معین نے کہا: ثقۃ۔[11] ابن حجر نے کہا: مقبول۔[12]

٧: صلت بن طریف، ابن معین نے کہا: لیس بہ بأس[13] ابن حجر نے کہا: مستور۔[14] ذہبی نے کہا: مجہول۔[15]

[1]تاریخ الدارمی عن ابن معین رقم الترجمۃ:٤١٨. [2] التقریب ص:٤٦٩. [3] تاریخ الدارمی رقم الترجمہ:١١٤. [4] التقریب:٤٠٥٠. [5] -----. [6] التقریب:٣٣٧٣. [7] تاریخ الدارمی رقم الترجمۃ:٧٦٦. [8] التقریب:٦٥٧٨. [9] تاریخ الدارامی رقم الترجمۃ:٩١٦. [10] التقریب:٨٢٤٩. [11] تاریخ الدارمی رقم الترجمۃ:٩١٦. [12] التقریب:٧٥٣٥. [13] سؤالات ابی اسحاق رقم الترجمۃ:٦٥١. [14] لسان المیزان:٤٢٥٧. [15] میزان الاعتدال:٩٣٠٩.

٨: سالم بن عبید البصری، ابن معین نے کہا:ضعیف أو لا بأس بہ۔[1]

٩: محمد بن یحیی بن سعید القطان، ابن معین نے کہا: ثقۃ۔[2] ابن حجر نے ان کے حالات میں سوائے ابن حبان کے کسی کی توثیق نقل نہیں کی۔[3]

١٠: یحیی بن المختار الصنعانی، ابن معین نے کہا: لیس بہ بأس۔[4] ابن حجر نے کہا: مستور۔[5]

قاعدہ: جب ایک معتبر امام کسی راوی کو ثقہ کہہ دے تو راوی مجہول، مستور یا مقبول نہیں بلکہ ثقہ بن جاتا ہے۔ امام ابن معین متشددین میں سے تھے جن کا کسی راوی کو ثقہ کہنا بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ہمیں کتب سؤالات سے بہت فائدہ اٹھانا چاہیے کہیں ہم بھی انہیں غلطیوں میں واقع نہ ہو جائیں

٢ :امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حالات

نام ونسب:

آپ کا نام أحمد، کنیت ابو عبد اللہ، لقب امامِ اہلسنت وجماعت اور سلسلہ نسب یہ ہے: أحمد بن محمد بن حنبل شیبانی بغدادی۔ آپ شیبان کے خالص عربی النسل قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، عہد صدیقی کے نامور اسلامی سپہ سالار حضرت مثنیٰ رضی اللہ عنہ بن حارثہ کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔

تاریخ پیدائش:

آپ بغداد میں 164ھ میں پیدا ہوئے، تین سال کے تھے کہ والد کا انتقال ہو گیا اور آپ مکمل طور پر والدہ کی زیر تربیت آ گئے۔ انہوں نے شروع سے ہی تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ کی۔

[1]سؤالات ابی اسحاق رقم الترجمۃ:٤٣١. [2] سؤالات ابی اسحاق رقم الترجمۃ:٧٤٦. [3] تہذیب التہذیب:٧٤٣٠. [4] سؤالات ابی اسحاق رقم الترجمۃ:٧٤٨. [5] التقریب:٧٦٤٢.

اللہ تعالی کا امت مسلمہ پر احسان عظیم:

جس دور میں اللہ تعالی نے امام احمد بن حنبل کو پیدا فرمایا، یہ دور تاریخ اسلام کا انتہائی خطرناک اور نازک دور تھا۔ اس زمانے میں خلیفہ مامون نے فلسفیوں کی گمراہ کن کتب کے عربی تراجم کروائے جس سے گمراہ فرقوں جہمیہ، معتزلہ، کرامیہ، قدریہ، اشعریہ، خوارج، رافضہ، قرامطہ، باطنیہ کو بہت تقویت ملی۔ ان سے زمین بھر چکی تھی۔ ہر طرف ان کا ہی اثر ورسوخ تھا۔ ہر طرف قرآن وحدیث کے خلاف ایک محاذ برپا تھا جسے حکومتی سرپرستی حاصل تھی۔ اللہ تعالی نے اسلام کی حفاظت کی خاطر اور ان گمراہ فرقوں کی سرکوبی کے لئے امام احمد بن حنبل کو پیدا فرمایا۔ اللہ تعالی کے اس بندے نے ساری زندگی تدریسی، تصنیفی خدمات سرانجام دیں اور باطل فرقوں کے سامنے کلمہ حق بلند کیا۔ امام احمد بن حنبل اور ان کے شاگردوں کے کارنامے امت مسلمہ کے لیے اللہ تعالی کا عظیم احسان ثابت ہوئے۔ والحمدللہ، یہ داستان ایک مستقل تاریخ کی حامل ہے۔

ابتدائی تعلیم:

آپ نے بچپن میں قرآن مجید حفظ کرلینے کے بعد زبان وادب کی تعلیم حاصل کی۔ تقوی۔ نفاست، شرافت، دیانت، نجابت اور صلاحیت کے آثار ابتداء سے نمایاں تھے، انہیں نیک آثار کو دیکھ کر ایک صاحب نظر نے کہا تھا: کہ اگر یہ نوجوان زندہ رہا تو اہل زمانہ پر حجت اور دلیل ہوگا۔ **علم حدیث کی ابتداء:**

ابتدائی تعلیم کے بعد آپ نے علم حدیث کی طرف توجہ کی اور چار برس تک بغداد میں محدّث ہشیم بن بشیر الواسطی سے استفادہ کیا۔ اسی عرصے میں بغداد کے دیگر محدثین سے بھی استفادہ کیا۔ وہاں سے فارغ ہو کر کوفہ، بصرہ، مکہ، مدینہ، یمن، شام اور جزیرہ کا سفر کیا اور ہر جگہ کے نامور محدثین سے علم حدیث وفقہ وغیرہ حاصل کیا۔

شیوخ:

علامہ ابن جوزی نے آپ کے اساتذہ کی تعداد سو سے زائد بتائی ہے، ان میں ہشیم بن بشیر، امام وکیع، یحیی بن سعید قطان، سفیان بن عیینہ اور امام شافعی نمایاں نام ہیں۔ امام شافعی سے دو مرتبہ ملاقات ہوئی اور ان سے حد درجہ متاثر ہوئے اور بھرپور استفادہ کیا۔ امام شافعی سے پہلی ملاقات حجاز میں آپ خود فرماتے ہیں: ہم کو مجمل و مفسر اور ناسخ و منسوخ کا پتا اس وقت چلا جب ہم امام شافعی کی مجلس میں بیٹھے۔ ایک مرتبہ آپ کے صاحبزادے عبداللہ نے پوچھا کہ شافعی کون تھے؟ میں دیکھتا ہوں کہ آپ ان کے لئے بہت زیادہ دعا کرتے ہیں۔ امام صاحب نے بتایا کہ بیٹا! امام شافعی دنیا کے لئے آفتاب اور بدن کے لئے صحت کی مانند تھے، کیا ان دونوں چیزوں کا کوئی بدل ہو سکتا ہے؟ میں تیس سال سے امام شافعی کے حق میں دعا اور استغفار کر رہا ہوں۔ ہر وہ شخص جس کے ہاتھ میں دوات اور کاغذ ہے اس کی گردن پر امام شافعی کا احسان ہے۔ آپ نے حدیث وفقہ کی

تحصیل شروع کی تو اپنی پوری توانائیاں اور توجہ اسی کی طرف مبذول کر دیں، یہاں تک کہ اصحابِ حدیث آپ کو اپنا امام وفقیہ اور مجتہد قرار دینے لگے۔

تلامذہ:

اکابر محدّثین مثلاً امام بخاری، امام مسلم، امام ابوداود اور امام ابو زرعہ نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا ہے۔ امام ابوداود طویل عرصے تک امام احمد کے ساتھ رہے، یہی وجہ ہے کہ اپنی کتاب سنن ابی داود میں امام احمد سے ۲۲۰ احادیث لائے ہیں۔

علمی پختگی:

علمی پختگی، معلومات کا استحضار اور قوتِ حافظہ اس قدر مضبوط تھا کہ آپ کے اساتذہ بھی بلا جھجک آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ امام شافعی حدیث و فقہ میں مہارت کے باوجود احادیث کی تصحیح وتضعیف اور نقد وجرح میں آپ پر اعتماد فرماتے تھے۔ ایک مرتبہ ان سے کہا: اے ابو عبد اللہ! جب کسی حدیث کی صحت آپ کے نزدیک ثابت ہو جائے تو مجھے بتا دیا کریں تاکہ میں اس پر عمل کروں۔ آپ کی جلالتِ قدر اور امامتِ فن کا تمام معاصر اہل علم نے اعتراف کیا ہے۔

مقام ومرتبہ:

امام شافعی نے فرمایا: جب میں عراق سے نکلا تو اپنے پیچھے احمد بن حنبل سے بڑھ کر کوئی صاحبِ علم وفضل اور عابد وزاہد شخص نہیں چھوڑا۔ محدث اسحاق بن راہویہ فرماتے ہیں: احمد بن حنبل کائنات میں اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان حجت ہیں۔

امام یحیی بن معین فرماتے ہیں: احمد بن حنبل میں جو اوصاف تھے، وہ میں نے کسی عالم میں نہیں دیکھے، آپ ایک عظیم محدث، نہایت عابد وزاہد اور اعلیٰ درجے کے عالم ودانا تھے۔ قتیبہ بن سعید نے کہا اگر امام احمد نہ ہوتے تو لوگ دین میں بدعت جاری کرتے، احمد دنیا کے امام تھے۔[1]

ابراہیم حربی نے کہا کہ میں نے ابو عبد اللہ کو دیکھا وہ اس طرح تھے جیسے اللہ تعالی نے ان کے لیے اگلے اور پچھلے لوگوں کا علم جمع کر دیا ہے۔[2] امام شافعی فرماتے ہیں کہ آپ آٹھ علوم میں امام تھے فقہ، لغت، قرآن، غریب الفاظ، سادگی، تقوی اور سنت۔ امام احمد بن حنبل نے چالیس سال تحصیل وتکمیل علم میں بسر کرنے کے بعد باقاعدہ مجلس درس قائم کی اور حدیث وفقہ کا درس دینا شروع کیا، ابتداء ہی سے ان کے درس میں سامعین وطلبائے حدیث کا جم غفیر ہوتا تھا۔ امام ابو عمرو ہلال بن العلاء الباہلی کہتے ہیں کہ اللہ تعالی نے امت پر چار آدمیوں کے ذریعے احسان کیا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو امت ہلاک ہو جاتی۔ اللہ تعالی نے امت مسلمہ پر امام احمد بن حنبل کے ذریعے احسان فرمایا، وہ آزمائش اور مار کے وقت صبر وتحمل سے ثابت قدم رہے تو دوسرے لوگ بھی انھیں دیکھ کر ثابت قدم بن گئے اور قرآن کے مخلوق ہونے کا اقرار نہیں کیا۔ اگر وہ نہ ہوتے تو لوگ ہلاک ہو جاتے۔[3]

امام خطیب بغدادی نے کہا: امام المحدثین، الناصر للدین، والمناضل عن السنۃ والصابر فی المحنۃ۔ آپ محدثین کے امام، دین کی مدد کرنے والے، سنت کا دفاع کرنے والے اور آزمائش میں صبر کرنے والے تھے۔[4]

امام علی بن مدینی نے کہا: ''احمد بن حنبل سیدنا''احمد بن حنبل ہمارے سردار ہیں۔[5]

[1]سیر اعلام النبلاء:۱۷۹-۱۱. [2] سیر اعلام النبلاء:۱۷۷-۱۱. [3] الکامل لابن عدی ج۱ص۱۲۸. [4] تاریخ بغداد ج۴ص۴۱۲ ت۲۳۱۷. [5] تاریخ بغداد ج۴ص۴۱۷.

امام احمد جوانی کی حالت سے ہی امام تھے، امام ابوزرعہ رازی (۲۶۴ھ) نے کہا:'' ما أعلم فی أصحابنا اسود الراس افقہ من أحمد بن حنبل۔''میں اپنے ساتھیوں میں جن کے سر کے بال کالے (نوجوان) ہیں، احمد بن حنبل سے زیادہ فقیہ کسی کو نہیں جانتا۔[1]

امام قتیبہ بن سعید نے کہا:''اذارأیت الرجل یحب احمد بن حنبل فاعلم انہ صاحب سنۃ وجماعۃ۔''جب آپ کسی آدمی کو دیکھیں کہ وہ احمد بن حنبل سے محبت کرتا ہے تو جان لو کہ وہ سنت اور جماعت کے منہج پر ہے۔[2]

فتنہ خلق قرآن کی تفصیل درج ذیل کتب میں دیکھی جاسکتی ہے:رسالۃ الامام احمد بن حنبل الی الخلیفۃ المتوکل فی مسالۃ القرآن، الحیدۃ والاعتذارفی الرد علی من قال بخلق القرآن لابی الحسن عبدالعزیز بن یحیی الکنانی المکی،شرح عقیدہ طحاویہ لابن ابی العز الحنفی، کتاب الرد علی من یقول القرآن مخلوق لاحمدبن سلمان النجادابی بکر،الابانۃ الکبری لابن بطۃ،عقیدۃ السلفیۃ فی کلام رب البریۃ، وکشف اباطیل المبتدعۃ الردیۃ لعبداللہ بن یوسف الجدیع۔ [3]

بِشر بن حارث نے امام احمد کے بارے میں کہا: امام احمد کو بھٹی میں ڈالا گیا اور آپ کندن بن کر نکلے۔[4]

امام علی بن مدینی نے کہا کہ دین اسلام میں امام احمد جیسی استقامت کسی نے نہیں دکھائی۔ نیز کہا کہ اللہ تعالی نے دین کے غلبے کا کام دو بندوں سے لیا، تیسرا کوئی ان کا ہمسر نہیں ہے، فتنہ ارتداد پر سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ سے اور فتنہ خلق قرآن کے موقع پر امام احمد رحمہ اللہ سے۔[5]

[1]الجرح والتعدیل ج۱ص۲۹۴. [2] الجرح والتعدیل ج۱ص۳۰۸. [3] تاریخ دعوت و عزیمت حصہ اول ص۸۴تا۱۰۲. [4] تہذیب التہذیب:۷۴-۱. [5] تذکرۃ الحفاظ:۱۶-۱-۱۷.

بطور تنبیہ عرض ہے کہ امین اوکاڑوی صاحب لکھتے ہیں کہ امام احمد مزاجاً معتدل تھے مگر فتنہ خلق قرآن کی آزمائش میں آپ اور آپ کے ساتھیوں پر جن قاضیوں نے تشدد کیا وہ عقیدتاً معتزلی اور فروعاً حنفی تھے۔[1]

امام احمد امام الجرح والتعدیل تھے:

اس پر کتب رجال،بحر الدم فیمن تکلم فیہ الامام أحمد بمدح او ذم لابن عبدالھادی اور موسوعۃ اقوال ا لامام أحمد بہت بڑی دلیل ہیں۔

وفات:

آپ ۱۲ ربیع الاول ۲۴۱ھ کو جمعہ کے دن خالقِ حقیقی سے جاملے اس وقت آپ کی عمر ۷۷ سال تھی۔ آپ کے جنازے میں خلق کثیر حاضر ہوئی۔ حافظ ابن حجر نے جنازہ میں آٹھ لاکھ مردوں اور ساٹھ ہزار عورتوں کی شرکت کا تذکرہ کیا ہے۔[2]

امام ابو زرعہ رازی نے کہا کہ خلیفہ متوکل نے حکم دیا کہ امام احمد کی نماز جنازہ پر کھڑے ہونے والے لوگوں کی جگہ کی پیمائش کی جائے، وہ جگہ اندازے میں اتنی تھی کہ اس میں بیس لاکھ افراد سما سکتے تھے۔[3]

اسلمی نے کہا کہ میں امام دار قطنی کے ساتھ ابو الفتح القواس کے جنازے پر تھا، جب انہوں نے بندوں کو دیکھا تو کہا میں نے ابو صالح بن زیاد کو کہتے ہوئے سنا انہوں نے عبد اللہ بن احمد سے سنا اور انہوں نے اپنے والد سے سنا کہ اہل بدعت سے کہو کہ تمہارے اور ہمارے درمیان جنازے کے دن ہیں۔[4]

امام احمد بن حنبل کی کتبِ جرح وتعدیل کا منہج

۱: الأسامی والکنٰی اس کتاب میں کئی سے مشہور رواۃ کے نام اور بعض ناموں کی کنیتوں کا ذکر ہے۔ امام احمد

[1] تجلیات صفدر ج۲ص۶۸. [2] تہذیب التہذب:۷۵-۱. [3] الجرح والتعدیل:۲۱۲-۱. [4] سیر اعلام النبلاء:۳۵۸-۱۱.

نے اپنی اس کتاب میں ۴۳۸ رواۃ کا تذکرہ کیا ہے۔ کئی ایک محدثین نے الکنی پر مستقل کتب لکھی ہیں تا کہ رواۃ آپس میں خلط ملط نہ ہوں۔

۲: العلل و معرفۃ الرجال روایۃ عبداللہ بن احمد بن حنبل

یہ کتاب تین جلدوں میں مطبوع ہے۔ اس میں کل ۶۱۶۱ اقوال امام احمد کے موجود ہیں جو عللِ حدیث اور رواۃ کے متعلق ہیں۔

اس کتاب میں اکثر سؤالات عبد اللہ نے جو خود کیے وہی جمع ہیں یا پھر جو امام احمد نے فرمایا وہ جمع کیا ہے۔ یہ کتاب خزانہ ہے۔ لیکن حروف تہجی کے علاوہ ہے،۔ کاش کوئی اس کو حروف تہجی پر ترتیب دے دے تا کہ اس سے فائدہ حاصل کرنا آسان ہو جائے۔

اس کتاب میں بعض تفصیلی بحوث بھی موجود ہیں مثلاً:

جلد ا ص ۲۴۵ ہؤلاء الرجال من روی عنہ مسعر من اہل الکوفۃ و غیرہم ولم یسمع منہم شعبۃ: اس بحث میں امام احمد فرماتے ہیں کہ جواب التیمی رآہ سفیان ولم یسمع منہ شیئا۔[1] یہ فن رجال کی کئی ایک اہم ترین کتاب ہے جس سے تمام ائمہ رجال نے فائدہ اٹھایا ہے۔

۳: العلل ومعرفۃ الرجال لامام احمد روایۃ المروذی و صالح بن احمد و المیمونی وفیہ احادیث و حکایات و غیرِذلک۔

اس میں کل اقوال ۵۸۳ ہیں۔

۴: سؤالات ابی داود لامام احمد بن حنبل فی جرح الرواۃ و تعدیلھم

اس میں کل ۵۶۴، اقوال ہیں۔اس کتاب کا منہج دیگر کتب سے مختلف ہے۔اس کتاب میں امام ابوداود نے ابواب قائم کیے ہیں مثلاباب فی علل الحدیث، باب

[1]العلل ومعرفة الرجال:۲۴۶-۱.

التاریخ، باب فی الاسماء، باب فی ذکر ثقات المدنیین وغیرہم، باب ذکرثقات اہل مکۃ، باب اہل الطائف، باب اہل دمشق وغیرہ مختلف شہروں کے اعتبار سے الگ الگ شہروں کے رواۃ جمع کیے ہیں۔نیز اس کتاب کے آخر میں کچھ سقطات تھے وہ دکتور زیاد منصور نے تاریخ بغداد سے استدراک کرکے پورے کیے فجزاہ اللہ خیرا۔یہ کتاب کے آخری میں ملحق ہیں۔

۵:سؤالات ابی بکر الاثرم لامام احمد فی الجرح و التعدیل

اس کتاب کے شروع میں امام ابوبکر الاثرم نے امام احمد بن حنبل سے کیے گئے سوال وجواب نقل کیے۔یہ صفحہ ۹۶ تک ہیں اس کے بعد دیگر کتبِ رجال سے محقق کتاب ابوعمر محمد بن علی الازہری حفظہ اللہ نے امام اثرم کے سوال اور امام احمد کے جوابات نقل کیے ہیں جو ۲۹۷ سوال وجواب ہیں۔

۶:مسائل الامام ابی عبداللہ احمد بن حنبل روایۃ ابنہ ابی الفضل صالح

اس میں ۱۴۰۳روایات ہیں جو رواۃ، عللِ حدیث اور فقہی مسائل پر سوال وجواب ہیں۔

۷:مسائل الامام احمد روایۃ ابی القاسم

اس میں ۱۰۳روایات موجود ہیں کچھ رواۃ پر اور کچھ فقہی مسائل پر۔

۸:موسوعۃ اقوال الامام احمد بن حنبل

اس کتاب میں امام احمد بن حنبل کے رواۃ کے بارے میں تمام اقوال کو جمع کر دیا گیا ہے۔کل رواۃ کی تعداد ۴۳۳۶ ہے اس کتاب میں درج ذیل کتب کو جمع کیا گیا ہے۔کتاب العلل ومعرفۃ الرجال، سؤالات ابن ھانی لاحمد بن حنبل، روایات المروذی وغیرہ لامام احمد، سؤالات ابی داود لاحمد، التاریخ الکبیر للبخاری اور دیگر کتب رجال سے بھی امام احمد کے اقوال جمع کیے گئے ہیں۔

۹:بحرالدم فیمن تکلم فیہ الامام احمد بمدح او ذم لابن عبدالھادی

اس میں ۱۳۲۴رواۃ جمع ہیں۔

۳:امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ

مکمل نام محمد بن اسماعیل بن ابراہیم۔ آپ ۱۹۴ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ آپ نے طلب علم کے لیے اس قدر زیادہ سفر کیے کہ خود فرماتے ہیں میں نے ایک ہزار اسی شیوخ سے حدیث لکھی۔ ان میں صرف محدثین شامل تھے اور سب کہتے تھے ایمان قول اور عمل کا نام ہے جو زیادہ اور کم ہوتا ہے۔۔ صحیح بخاری میں ۲۸۹ شیوخ کی روایات لائے ہیں۔[1]

تصانیف: التاریخ الکبیر التاریخ الاوسط التاریخ الصغیر کتاب الضعفاء الصغیر کتاب الوحدان اسامی الصحابہ کتاب العلل کتاب الکنی کتاب الفوائد جزء رفع الیدین جزء القراء ة قضایا الصحابہ وا لتابعین الضعفاء الکبیر الکنی المجردہ التاریخ فی معرفة رواۃ الحدیث و نقلة الآثار والسنن و تمییز ثقاتہم من ضعفائہم و تاریخ وفاتہم التواریخ والانساب

نیز امام ترمذی نے بہت زیادہ اقوال سنن الترمذی اور العلل الکبیر میں امام بخاری سے نقل کیے ہیں امام بخاری کی بعض کتب جرح وتعدیل کا منہج آگے آرہا ہے۔

۴: اماابوزرعہ رازی رحمہ اللہ

مکمل نام عبید اللہ بن عبد الکریم بن یزید بن فروخ القرشی الرازی آپ ۲۰۰ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۶۴ھ میں فوت ہوئے

مقام ومرتبہ: ذہبی نے کہا: وہ حفظ، ذہانت، دینداری، اخلاص اور علم وعمل میں

[1]وفیا ت الاعیان:۱۸۸-۴، سیر اعلام النبلاء:۳۹۱-۱۲.

یکتا تھے۔[1]

امام ابوزرعہ جرح وتعدیل کے بہت بڑے امام تھے۔ امام ابوحاتم نے کہا: جو لوگ صحیح اور ضعیف حدیث کا علم، ان کا فرق اور علل حدیث کو اچھی طرح جانتے ہیں، ان میں احمد بن حنبل، ابن معین، اور علی بن مدینی شامل ہیں اور ان کے بعد ابوزرعہ اس فن میں یکتا تھے۔[2]

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: جرح وتعدیل میں مجھے ابوزرعہ کا کلام بہت پسند ہے۔ اس سے تقوی اور معرفت کا اظہار ہوتا ہے، ان کے برخلاف ان کے ساتھی ابوحاتم واقعی جراح اور متشدد تھے۔[3]

سحری کے وقت شیوخ کے پاس پہنچ جاتے: اپنے بارے خود فرماتے ہیں: کنا نبکر بالاسحار الی مجلس الحدیث نسمع من الشیوخ۔[4]

تصانیف: فن رجال پر ان کی درج ذیل کتب ہیں: ۱۔کتاب الضعفاء والکذابین والمتروکین

۲۔کتاب أسامی الضعفاء ۳۔الاجوبة علی اسئلة البرزعی فی الثقات ۴۔کتاب الافراد

آپ کے بکثرت اقوال امام ابن ابی حاتم نے اپنی کتب میں نقل کیے ہیں، مثلا تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل، الجرح والتعدیل، علل الحدیث، المراسیل، بیان خطأ البخاری فی تاریخہ الکبیر۔ امام ابوزرعہ نے کہا کہ میرے گھر میں پچاس سال سے لکھی ہوئی کتابیں ہیں اور وہ چیزیں جب سے لکھی ہیں میں نے انھیں دوبارہ نہیں دیکھا لیکن میں جانتا ہوں کہ فلاں چیز کس کتاب میں، کس ورقے پر، کس صفحے اور کس سطر پر ہے۔[5]

وفات کا واقعہ: نزع کے وقت ان کے پاس بیٹھے ہوئے علماء و محدثین نے تلقین والی

[1]تذکرة الحفاظ:۵۵۷-۲. [2] تقدمۃ الجرح و التعدیل ص:۳۵۶. [3] سیر اعلام النبلاء:۸۱-۱۳. [4] سیر أعلام النبلاء:۷۸-۱۳. [5] تاریخ بغداد:۳۳۲-۱۰.

حدیث یاد کروانے میں شرم محسوس کی تو اس حدیث پر مذاکرہ شروع کر دیا۔ اتنے میں امام ابوزرعہ بولے: حدثنا بندار قال حدثنا ابو عاصم قال حدثنا عبدالحمید بن جعفر عن صالح بن ابی عریب عن کثیر بن مرة الحضرمی عن معاذ بن جبل قال قال رسول الله صلى الله علیہ وسلم: من کان آخر کلامہ لا الہ الاالله دخل الجنۃ۔[1]

۵: امام ابن شاہین

مکمل نام یہ ہے: عمر بن احمد بن عثمان بن احمد بن ایوب بن ازداز بن سراح بن عبدالرحمن۔ ان کی والدہ کے دادے کا نام احمد بن محمد بن یوسف بن شاہین الشیبانی تھا۔[2] اس وجہ سے ابن شاہین کے نام سے مشہور ہوئے۔ انہیں واعظ بھی کہا جاتا تھا۔

یہ خراسان کے رہنے والے تھے۔ پھر انہوں نے بغداد میں قیام کیا جس سے بغدادی مشہور ہوئے۔ آپ ۲۹۷ھ کو پیدا ہوئے اور گیارہ سال کی عمر میں حدیث لکھنی شروع کی۔

رحلہ علمیہ: آپ نے پہلے بغداد کے شیوخ سے علم حاصل کرنا شروع کیا جن میں ابوالقاسم البغوی سے آٹھ سو اجزاء حاصل کیے، نیز یحیی بن صاعد، عبداللہ بن سلیمان الاشعث کے بارے میں امام ابن شاہین خود کہتے ہیں کہ میں نے ان تینوں شیوخ سے بہت علم حاصل کیا اور امید کرتا تھا کہ اللہ تعالی مجھے ان جیسا بنائے گا۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک بغداد کے محدثین سے علم حاصل کیا۔ پہلے بغداد کے محدثین سے علم حاصل کیا پھر بصرہ گئے پھر کوفہ پھر دمشق گئے۔[3] پھر حمص، واسط، عسکر، رقۃ، آیلۃ، کے محدثین سے علم حاصل کیا، پھر مصر منتقل ہوئے۔

[1]تاریخ بغداد:۳۳۵-۱۰-۳۳۶،طبقات الحنابلہ:۲۰۳-۱،تاریخ دمشق:۳۸-۳۸،تقدمۃ الجرح والتعدیل ص:۳۴۵-۳۴۶. [2] تاریخ بغداد:۲۶۵-۱۱ رقم:۶۰۱۸.
[3] تذکرة الحفاظ:۹۸۸-۳.

مقام و مرتبہ: امام ذہبی نے کہا: الامام المفید المکثر محدث العراق۔[1] امام دار قطنی نے کہا: ہو ثقۃ۔[2]

تنبیہ: امام ابن شاہین میں یہ کوتاہی تھی کہ کتاب لکھتے تھے لیکن اصل کے ساتھ مقابلہ نہیں کرتے تھے، بعض نے اس وجہ سے ان پر جرح کی ہے۔

تصانیف: آپ نے تین سو کتب لکھیں۔ اپنے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ میں نے تین سو درہم کی سیاہی خریدی ہے۔ ہم یہاں صرف ان کتب کا ذکر کرنا چاہتے ہیں جو انہوں نے فن رجال پر لکھیں:

۱: کتاب الاصاغر عن الاکابر

۲: کتاب تاریخ اسماء الثقات ممن نقل عنہم العلم (المعروف تاریخ اسماء الثقات)

۳: کتاب تاریخ اسماء الضعفاء والکذابین ممن نقل عنهم العلم (المعروف کتاب الضعفاء)

۴: کتاب معجم الشیوخ

وفات: آپ بروز اتوار بارہ ذوالحجہ تین سو پچاسی ہجری کو فوت ہوئے۔[3]

ان کے علاوہ اور بھی کئی ایک علماء جرح وتعدیل ہیں۔[1]

تذکرۃ الحفاظ:۹۸۷-۳. [2] سؤالات حمزہ السھمی للدارقطنی:۳۸۶. [3] تاریخ بغداد:۲۶۸-۱۱،سیر اعلام النبلاء:۴۳۴-۱۶.

التاریخ الکبیر للبخاری اور الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم کا منہج

التاریخ الکبیر للبخاری کا منہج

امام بخاری کا مکمل نام: ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری امیر المومنین فی الحدیث ہے۔ آپ ۱۹۴ھ کو پیدا ہوئے اور ۲۵۶ھ کو فوت ہوئے۔[1] **التاریخ الکبیر کیسے لکھی؟** امام خطیب بغدادی تاریخ بغداد میں لکھتے ہیں کہ امام بخاری خود فرماتے ہیں کہ جب میں ۱۸ سال کا ہوا تومیں قضایا الصحابۃ وا لتابعین واقوالہم لکھنی شروع کی اور یہ عبید اللہ بن موسی کے دن تھے۔ اور میں نے التاریخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کے پاس بیٹھ کر (مسجد نبوی میں) چاندنی راتوں میں تصنیف کی اور کم ہی کوئی نام تاریخ میں ہے مگر اس کے لیے ایک قصہ میرے پاس ہے لیکن کتاب کا لمبا ہونا میں ناپسند کرتا ہوں۔ پھر کہا کہ ان لوگوں کو علم نہیں کہ میں نے تاریخ کیسے لکھی ہے۔ میں نے اس کو تین بار لکھا ہے اور میں نے اپنی تمام کتب کو تین بار ہی لکھا ہے۔[2]

علامہ عبد الرحمن بن یحیی معلمی یمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ تین دفعہ سے مراد یہ ہے کہ پہلے انہوں نے بغیر ترتیب کے تراجم لکھے، پھر دوبارہ انہیں ترتیب سے لکھا، پھر سہ بارہ انہوں نے تراجم پر ابواب قائم کیے۔[3]

[1]مفصل حالات دیکھنے کے لیے:تاریخ بغداد:(۴-۲-۳۴)سیر اعلام النبلاء(۳۹۱-۱۲-۴۷۱)ملاحظہ کریں. [2] تاریخ بغداد: ۷-۲،سیر اعلام النبلاء:-۱۲-۴۰۳. [3] مقدمہ الموضح لاوھام الجمع والتفریق:۱۰-۱-۱۱

.**التاریخ الکبیر کا منہج:** جو ہم نے استقراء اور تتبع سے سمجھا، وہ پیش خدمت ہے:

۱: ہر راوی کا مکمل نام باپ، دادا کنیت اور نسبت لکھتے ہیں۔ حروف تہجی کے اعتبار سے مکمل کتاب لکھی ہے تاکہ راوی تلاش کرنا آسان ہو لیکن محمد نام کو مقدم کیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے شرف کی وجہ سے۔ پھر ہر حرف میں صحابہ کا تذکرہ پہلے کیا خواہ باپوں کے ناموں کی ترتیب مشترک اسماء میں مخالف ہی ہو جائے۔[1]

۲: ہر راوی کی ایک مرفوع روایت ذکر کرتے ہیں۔ اس پر ایک مستقل کتاب ‘‘الاحادیث المرفوعہ من التاریخ الکبیر ’’کے نام سے مرتب کی گئی ہے جس میں ۸۵۱ روایات جمع ہیں۔

۳: کئی ایک ضعیف روایات بھی نقل کرتے ہیں اور ان پر ضعف کا حکم بھی لگاتے ہیں۔ میں نے اپنے پہلے سفر حرمین میں جولائی ۲۰۱۱ء کو مکہ مکرمہ میں عائشہ ہوٹل جو کبوتر چوک کے بالکل ساتھ ہے، میں بیٹھ کر مکمل التاریخ الکبیر کا مطالعہ کیا اور اس سے " الاحادیث الضعیفہ عندالامام البخاری "ترتیب دی۔ والحمدللہ میری یہ کتاب نیٹ پر ملتقی لاھل الحدیث یا اردو مجلس فورم میں دیکھی جاسکتی ہے۔ بطور مثال التاریخ الکبیر کے درج ذیل ارقام الترجمہ کا مطالعہ کریں، مثلا: ۱۰۰۷، ۹۲۴، ۵۸۰، ۲۷۹۔

۴: حدیث اور راوی پر جرح وتعدیل کے کس امام کا حکم باسند نقل کیا ہے۔

۵: بعض راویوں کا صرف نام لکھتے ہیں، کچھ بھی تفصیل نہیں لکھتے۔

۶: تاریخ کبیر میں امام بخاری کا یہ بھی منہج ہے کہ امام بخاری کسی راوی کی کسی روایت کی بنیاد پر سماع کا تذکرہ کرتے ہیں اور امام بخاری کا مقصود صرف یہ ہوتا ہے کہ بعض روایات میں فلاں راوی سے فلاں راوی کے سماع کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن یہ سماع واقعۃ ثابت ہے یا نہیں؟ یہ الگ مسئلہ ہے۔ علامہ عبدالرحمن معلمی یمانی رحمہ اللہ جنہیں "ذہبی عصر" کا کماحقہ خطاب دیا گیا، فرماتے

[1]امثلہ دیکھنے کے لیے التاریخ الکبیر تراجم رقم(۱۹۲۷،۱۹۰۸،۱۷۵۳،۱۷۵۲)دیکھیں.

ہیں:قول البخاری فی التراجم:سمع فلانالیس حکما منہ بالسماع وانما ھو اخبار بان الراوی ذکر انہ سمع۔ کسی راوی کے ترجمہ میں امام بخاری رحمہ اللہ کا یہ فرمانا کہ اس نے فلاں سے سنا ہے، اس سے امام بخاری سماع کا فیصلہ نہیں کرتے ہیں، بلکہ صرف یہ خبر دیتے ہیں کہ اس راوی سے سماع کا ذکر کیا گیا ہے۔[1]

علامہ عمرو عبدالمنعم سلیم فرماتے ہیں کہ یاد رہے کہ امام بخاری نے اپنی تاریخ میں رواۃ کے ترجمہ میں جو بعض رواۃ سے بعض ان رواۃ کا سماع ذکر کیا ہے، جنہوں نے ان سے روایت کی ہے یا محض بعض رواۃ کی بعض رواۃ سے مرویات کا تذکرہ کیا ہے بغیر سماع کے اثبات کے ساتھ تو یہ محض سند کی کیفیت کا بیان ہے، اس کا یہ مطلب نہیں ہے جیسا کہ کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ امام بخاری رحمہ اللہ جب اپنی تاریخ میں کہیں کہ فلاں نے فلاں سے سنا ہے تو یہ کہہ کر امام بخاری رحمہ اللہ اس راوی کے لیے سماع کا اثبات کر رہے ہیں۔[2]

۷: اسی طرح رواۃ کا اپنے شیوخ سے ملاقات کا وقت اور جگہ کا بھی بہت ذکر کرتے ہیں۔ پھر بعد میں امام بخاری نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں اس سے بہت مدد لی کہ راوی اور استاد میں صرف معاصرت کافی نہیں بلکہ ملاقات بھی ضروری ہے۔

۸: رواۃ پر مختصر مگر جامع تبصرہ فرماتے ہیں۔ تاریخ وفات کا بھی اکثر اہتمام کرتے ہیں۔

۹: الفاظِ جرح وتعدیل استعمال کرنے میں کمال تقوی وورع اور احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ اکثر یہی کہتے تھے: فیہ نظر، سکتوا عنہ، ترکوہ، منکر الحدیث۔ یہی وجہ ہے کہ امام ذہبی علیہ الرحمۃ نے سیر اعلام النبلاء (۴۳۹/ ۱۲۔۴۱۱) میں امام بخاری کے رواۃ حدیث پر کلام میں انصاف اور ورع کی شہادت دی ہے۔

سوال: کیا امام بخاری نے کسی راوی کو کذاب کہا ہے، کیونکہ بعض نے اس کا انکار کیا ہے؟

[1]تعلیق علی الموضح للخطیب:۳۲۳-۱. [2] حاشیۃ علی نزہۃ النظر ص:۵۷)مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:یزید بن معاویہ پر الزامات کی حقیقت از فضیلۃ الشیخ کفایت اللہ سنابلی حفظہ اللہ (ص:۱۱۷-۱۱۹)

جواب: امام بخاری بہت قلیل رواۃ پر کذاب لفظ استعمال کرتے ہیں، یاتو وہ کسی کا قول نقل کرتے ہیں یا اپنی طرف سے لفظ کذاب سے حکم لگاتے ہیں، اور یہ بہت شاذ و نادر ہے۔ التاریخ الکبیر میں صرف ۱۳ بار لفظ کذاب استعمال ہوا ہے اور الضعفاء للبخاری میں دو بار۔ لفظ دجال صرف ایک بار مذکور ہے۔ وہ بھی کسی کا قول نقل کیا ہے اور لفظ یضع الحدیث بھی ایک بار لکھا ہے۔

فائدہ: الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم میں ۱۱۲ بار کذاب لفظ استعمال ہوا ہے۔ **تنبیہ:** حافظ ابن حجر نے کہا کہ امام بخاری کسی راوی کو کذاب یا وضاع کی بجائے کذبہ فلان یا رماہ فلان کہتے ہیں۔[1] جب ہم نے المکتبۃ الشاملۃ سے سرچ کیا تو التاریخ الکبیر میں ایک دفعہ بھی کذبہ فلان یا رماہ فلان نہیں ملا۔

رواۃ کی التاریخ الکبیر میں کل تعداد: مطبوعہ نسخے کے مطابق ۱۳۳۰۸ ہے۔

علامہ معلمی یمانی نے کہا ہے کہ دس ہزار سے کچھ زائد ہیں۔ امام ذہبی نے کہا: چالیس ہزار رواۃ سے زیادہ ہیں۔[2] امام حاکم نے بھی چالیس ہزار کے قریب نقل کیے ہیں۔[3] یہی بات علامہ کتانی نے المستطرف میں کہی ہے اور ساتھ یہ بھی کہا ہے: فمادری ما مستند فی هذا التقدیر۔

سوال: امام بخاری جس راوی پر خاموشی اختیار کریں، کیا وہ توثیق ہے جس طرح ڈاکٹر محمود طحان حنفی نے کہا ہے۔[4]

جواب: یہ بات غلط ہے محمود طحان غالی حنفی ہے اور محدثین پر تبرا کرنا اس کی عادت ہے۔ تیسیر مصطلح الحدیث، اصول التخریج اور ان کی دیگر کتب میں کئی ایک غلطیاں ہیں۔ سکوتِ

[1]مقدمہ فتح الباری:۴۸۰. [2] سیر اعلام النبلاء:۴۷۰-۱۲. [3] المدخل الی الصحیحین:۱۱۱. [4] اصول التخریج ودراسۃ الاسانید ص:۱۵۵.

امام بخاری پر مفصل بحث ماقبل گزر چکی ہے۔

امام بخاری کے جرح وتعدیل کے بعض حکموں پر تنقید:

امام ابن ابی حاتم کے سامنے امام بخاری کی کتب التاریخ الکبیر، الضعفاء وغیرہ تھیں، ان کتب سے وہ استفادہ بھی کرتے تھے اور کہیں ان سے اختلاف ہوتا تو امام بخاری کی باتوں کا رد بھی کرتے۔ مثلاً عباءۃ بن کلیب کو امام بخاری نے اپنی کتاب الضعفاء میں لکھا ہے اس کے بارے میں امام ابو حاتم نے کہا کہ یحول من ھناک۔ اس کتاب سے تبدیل کیا جائے۔ (الجرح والتعدیل:۷/۶۱) یعنی یہ راوی صدوق ہے اس کو ضعفاء میں کیوں نقل کیا گیا، اس کو وہاں سے تبدیل کیا جائے۔ تنبیہ: یہ راوی مجھے نہ الضعفاء للبخاری میں ملا اور نہ ہی التاریخ الکبیر میں، جس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ امام بخاری نے اسے وہاں سے نکال دیا ہو۔ واللہ اعلم۔

یاد رہے کہ امام بخاری پر بعض اعتراضات کیے گئے۔ رواۃ کی تعیین میں ان اعتراضات پر زبردست نقد علامہ معلمی یمانی نے دومقامات پر کیا ہے۔بیان خطاء البخاری فی تاریخہ کے مقدمہ اورمقدمہ الموضح لأوھام الجمع والتفریق میں یہ دونوں مقدمے اس لائق ہیں کہ انھیں اردو میں ترجمہ کرکے اکٹھا شائع کیا جائے جس کا نام" التاریخ الکبیر کا دفاع" رکھا جائے۔نوٹ:الضعفاء للبخاری کے تمام رواۃ التاریخ الکبیر میں بھی ہیں۔

الجرح والتعديل لابن ابی حاتم کا منہج

مصنف کا مکمل نام ابو محمد عبد الرحمن بن المحدث ابی حاتم محمد بن ادریس بن المنذر التمیمی الرازی ہے۔ آپ ۲۴۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۳۲۷ھ میں فوت ہوئے۔[1]

ابوحاتم اور ابوزرعہ کے اقوال جمع کیے ہیں اور پھر خطوط لکھے جن سے بھی کافی مواد ملا۔**رواۃ کی تعداد:** مطبوعہ نسخے کے مطابق ۱۸۰۴۰ ہے

[1]تذکرۃ الحفاظ:۲۹-۳،سیر اعلام النبلاء:۲۶۳-۱۳.

اس کتاب کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ امام بخاری نے صحابہ سے لے کر اپنے اساتذہ تک ہزاروں کی تعداد میں رواۃ جمع کر دیے اور فنِ جرح وتعدیل میں سب سے پہلی مفصل تاریخ مرتب کرنے کا اعزاز حاصل کیا۔ان کے معاصرین میں سے امام ابو حاتم اور امام ابوزرعہ بھی فن جرح وتعدیل کے ائمہ تھے۔امام ابوحاتم کے بیٹے عبد الرحمن نے امام بخاری کی التاریخ الکبیر کو سامنے رکھ کر اسی ترتیب سے رواۃ پر اپنے والد محترم اور ان کے ساتھی امام ابوزرعہ سے سوالات کرنے شروع کر دیے،وہ ہر راوی کے بارے میں ان دونوں سے سوال کرتے،وہ ان کے جواب لکھتے جاتے،اس طرح ابن ابی حاتم کے ہاتھ میں تین ائمہ جرح وتعدیل کی آرا آگئیں۔امام بخاری، امام ابوزرعہ اور امام ابوحاتم۔پھر ابن ابی حاتم نے دیگر محدثین کی طرف خطوط لکھے اور ان کی آراء بھی جمع کیں اور ہر ہر قول کی سند لکھی۔اس کتاب کے دو مقدمے ہیں، پہلی مستقل جلد مقدمہ ہے اور دوسرا مختصر مقدمہ دوسری جلد کے شروع میں ہے۔یہ اسماء الرجال کی ایک نہایت اہم اور مرجع کی کتاب ہے۔کوئی بھی طالب علم اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔اس کتاب کا منہج جاننا بہت ضروری ہے۔ہمارے سامنے الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم کا دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان کا مطبوعہ دس جلدوں کا والا نسخہ ہے، جس کی پہلی جلد تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل ہے اور دسویں جلد فہارس پر مشتمل ہے۔

پہلی جلد تقدمۃالمعرفۃ لکتا الجرح والتعدیل کا تعارف:

یہ جلد ۳۲۴صفحات پر مشتمل ہے۔اس میں صرف فن رجال کے تعارف واہمیت اور اہم قوانینِ جرح وتعدیل پر بحث کی گئی ہے۔امام ابن ابی حاتم نے فنِ جرح وتعدیل کے ۱۸ نقاد محدثین کے مفصل حالات لکھے ہیں، پھر مصنف نے مقدمۃ المصنف کے تحت سنت اور جرح وتعدیل کے اہمیت کے لیے چھے ابواب قائم کیے ہیں۔

الجرح و التعديل کی جلد ۲تا ۹ تک کا منہج

اس میں حروف تہجی کے اعتبار سے رواۃ کو جمع کیا ہے۔رواۃ پر بحث کا طریقہ یہ ہے کہ

سب سے پہلے راوی کا مکمل نام، پھر "روی عن" لکھ کر ایک یا دو شیوخ کا تذکرہ، اور "روی عنہ" کے بعد ایک یا دو شاگردوں کا تذکرہ۔ پھر اپنے والد امام ابو حاتم اور امام ابو زرعہ دونوں یا کسی ایک کی رائے بیان کرتے ہیں۔ بعض دفعہ دیگر محدثین کی آرا بھی ذکر کرتے ہیں۔ امام عبد الرحمن بن ابی حاتم نے جب یہ کتاب لکھنا شروع کی تو انہوں نے مختلف محدثین کی طرف خطوط لکھے تھے کہ جرح وتعدیل کے متعلق جو کچھ بھی کسی کے پاس ہے وہ مجھے بھیج دیں، کئی ایک محدثین نے ان کی طرف محدثین کے رواۃ پر جرح وتعدیل کے اقوال لکھ کر بھیجے۔

مثلا امام ابن ابی خیثمہ (۸/۷، ۱۱) ابراہیم بن یعقوب الجوزجانی (۱۳/۷) امام علی بن ابی طاہر: (۱۷/۷) امام عبد اللہ بن امام احمد (۷/۲، ۳، ۴، ۶، ۱۰، ۱۵، ۱۷) یعقوب بن اسحاق (۹/۷) وغیرہ۔ ۱۵۵۲ دفعہ امام ابن ابی حاتم نے فیما کتب الی لکھ کر خطوط سے جرح وتعدیل کے اقوال باسند لکھے ہیں۔ جس طرح ہمیں یہ بات مکتبہ شاملہ سے معلوم ہوئی۔ امام ابن ابی حاتم جب کسی خط سے معلومات ذکر کرتے ہیں تو ساتھ یہ صراحت کرتے ہیں: فیما کتب الی۔ ہر ہر بات باسند لائی گئی ہے تاکہ قاری سند کی تحقیق بھی کر سکے۔ انہوں نے کئی ایک رواۃ کے صرف نام لکھے ہیں جرح وتعدیل کے لحاظ سے حکم نہیں لگایا گیا۔ وہ ہمیں دیگر کتب میں تلاش کرنا ہوگا۔ امام ابن ابی حاتم نے مقدمہ جلد اول کے آخر میں تقریباً آدھے صفحے میں الجرح والتعدیل کا منہج بیان کیا ہے، نیز مقدمے کے آخری دو صفحات میں رواۃ کے درجات پر بھی بحث کی ہے۔

امام دار قطنی رحمہ اللہ کے حالات اور ان کی کتب کا منہج

نام ونسب: ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن النعمان بن دینار بن عبد اللہ البغدادی الدار قطنی رحمہ اللہ

تاریخ پیدائش: ۳۰۶ھ (تاریخ بغداد ج ۱۲ ص ۴۰، ۳۹، ترجمہ نمبر: ۶۴۰۴)

دار قطنی کی وجہ تسمیہ: بغداد میں ایک محلہ تھا جس کا نام دار القطن تھا، آ وہاں کے رہائشی تھی اسی وجہ سے اس طرف منسوب ہوئے۔

اساتذہ: آپ نے اس قدر زیادہ شیوخ سے استفادہ کیا جن کا شمار ناممکن ہے، ان کے چند مشہور اساتذہ درج ذیل ہیں: ابو القاسم بغوی، ابو بکر بن ابی داود، یحیی بن صاعد، ابن قانع صاحب معجم الصحابہ اور اسماعیل بن محمد الصفار وغیرھم

تلامذہ: ابو نعیم الاصبھانی، ابو بکر البرقانی، امام حاکم صاحب المستدرک، ازہری، خلال جوہری، تنوخی، عتیقی، قاضی ابو الطیب الطبری، اور حافظ عبد الغنی المقدسی وغیرھم۔

علمی سفر: آپ نو سال کے تھے کہ آپ نے علم حدیث حاصل کرنا شروع کر دیا تھا۔ آپ کے ساتھی یوسف القواس کہتے ہیں کہ ہم جب امام بغوی رحمہ اللہ کے پاس جاتے تو دار قطنی ہمارے پیچھے پیچھے ہوتے، ان کے ہاتھ میں روٹی ہوتی جس پر سالن رکھا ہوا ہوتا تھا۔۔۔ اگر ان کو کلاس میں نہ بیٹھنے دیا جاتا تو یہ باہر بیٹھ کر روتے۔[1]

آپ نے فقہ شافعی اپنے استاد ابو سعید اصطخری سے پڑھی، اور آپ نے منظم طریقے سے امام بغوی سے پڑھا، لوگوں کی آپ سے امیدیں وابستہ تھیں کہ آپ دار القطن کے قاری بنیں گے لیکن اللہ تعالی نے انھیں محدث بنا دیا۔ آپ نے علم کے حصول کے لئے تمام علمی مراکز کا سفر کیا خصوصا کوفہ، بصرہ، واسط، تنیس، شام، مصر، خوزستان، مکہ اور مدینہ۔

تصانیف: آپ نے بہت علوم حدیث پر مشتمل قابل قدر تصانیف لکھیں جن میں چند ایک یہ ہیں: سنن الدارقطنی، کتاب العلل،الموتلف والمختلف، فضائل الصحابہ، المستجاد من فعلات الاجواد، تعلیقات الدارقطنی علی المجروحین لابن حبان،الضعفاء والمتروکون، الافراد والغرائب، ذکر اسماء التابعین وغیرھم

علمی مقام ومرتبہ: آپ کی امامت وثقاہت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔ والحمدللہ۔

آپ کے شاگرد شیخ الاسلام ابوالطیب طاہر بن عبداللہ الطبری رحمہ اللہ نے آپ کو "

[1]تذکرۃ الحفاظ ج۳ص۹۸۹،تاریخ دمشق:ج ۱-۲۴۱-۲-۱۲.

امیر المومنین فی الحدیث" کہاہے۔[1]

خطیب بغدادی آپ کے متعلق لکھتے ہیں:وکان فرید عصرہ، و قریع دہرہ و نسیج وحدہ وامام وقتہ انتہی الیہ علم الاثر والمعرفۃ بعلل الحدیث واسماء الرجال واحوال الرواۃ مع الصدق والامانۃ والفقہ والعدالۃ وقبول الشہادۃ وصحۃ الاعتقاد وسلامۃ المذہب و الاضطلاح بعلوم سوی علم الحدیث۔ [2]

حافظ ذہبی نے کہا:الامام الحافظ المجود شیخ الاسلام علم الجہابذۃ۔۔المقریء المحدث "[3] ایک جگہ لکھتے ہیں:بل کان سلفیا۔[4]

حافظ سخاوی نے کہا:وبہ ختم معرفۃ العلل"[5] آپ کے ساتھ علل کی معرفت ختم ہوگئی۔

امام دارقطنی امام الجرح والتعدیل تھے:

امام دارقطنی رحمہ اللہ کو اللہ تعالی نے بہت ہی زیادہ حافظہ عطافرمایاتھا۔ آپ اس بات کا صرف ایک واقعہ سے اندازہ لگالیں۔امام دارقطنی رحمہ اللہ کی سب سے بڑی کتاب علل الدارقطنی ہے،جو سولہ جلدوں میں مطبوع ہے،اس کتاب میں احادیث پر جرح وتعدیل کے اعتبار سے کلام ہے،یہ ساری کتاب آپ نے زبانی لکھوائی۔خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ میں نے امام برقانی سے پوچھا:کیا ابوالحسن الدارقطنی اپنی کتاب "العلل" آپ کو زبانی لکھواتے تھے؟تو انہوں نے جواب دیا:جی ہاں۔[6]

وفات: آپ ۸ذوالحجہ ۳۸۵ھ کو بدھ کے دن فوت ہوئے اور باب الدیر کے مقبرہ

[1]تاریخ بغداد:ج۱۲ص۳۶. [2] تاریخ بغداد:ج ۱۲ص۳۴. [3] سیر اعلام النبلاء:ج۱۶ص۴۴۹. [4] السیر:ج۱۶ص۴۵۷. [5] الاعلان بالتوبیخ:۱۶۵. [6] تاریخ بغداد:ج۱۲ص۳۷.

میں دفن ہوئے۔[1] آپ کی نماز جنازہ ابوحامد الاسفرائینی الفقیہ نے پڑھائی۔[2]

امام دارقطنی کے تفصیلی حالات معلوم کرنے کے لئے درج ذیل کتب کا مطالعہ کریں: تاریخ لابن ماکولا (ج۱۲ص۰۴)تاریخ بغداد (ج ۱۲ص۳۴)الانساب للسمعانی (ج۲ص۴۳۸)وفیات الاعیان(ج۳ص۲۹۷)تذکرۃ الحفاظ (ج۳ص۹۹۱)البدایۃ والنہایۃ (ج۱۱ص۳۱۷)سیراعلام النبلاء (ج۱۶ص۴۴۹)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اپنے استاد محترم امام دار قطنی رحمہ اللہ سے عراقی راویوں کے متعلق لکھ کر سوالات کیے جن کے حالات انھیں بذات خود معلوم نہیں ہو رہے تھے، امام دار قطنی نے ان پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے لکھ کر کلام کیا پھر بعد میں امام حاکم نے بالمشافہ بھی سوال کئے اور ان میں بعض وہ سوال وجواب بھی ہیں جو امام دار قطنی سے کسی اور نے کئے لیکن امام حاکم اس وقت موجود تھے ان کو بھی اس کتاب میں درج کیا ہے، ان تمام سوال وجواب کو امام حاکم نے ترتیب دیا ہے پہلے ان سوال وجواب کو لکھا ہے جو لکھ کر امام صاحب نے جواب دیئے، پھر کتاب کے آخر میں ان سوالات وجوابات کو درج کیا جو بالمشافہ کئے۔ یہ کتاب مطبوع ہے ''سؤالات الحاکم'' کے نام سے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ امام دار قطنی جرح وتعدیل کے کس قدر بلند مقام امام تھے۔

اسی طرح امام ابو عبد الرحمن السلمی نے اپنے شیخ امام دار قطنی سے سوالات کئے وہ بھی مطبوع ہیں اسی طرح برقانی کے سوالات بھی مطبوع ہیں۔ سوالات حمزہ السھمی بھی عام متداول ہیں۔ ان کتب سے بھی معلوم ہو تا ہے کہ امام دار قطنی مرجع خلائق تھے اور ان کے جوابات کو بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہاں بطور فائدہ عرض ہے کہ جس طرح پہلے محدثین کے شاگرد اپنے شیوخ کو بہت ہی اہمیت دیتے تھے، ان سے جو سوالات کرتے ان کو کتابی صورت میں جمع کرتے بالکل اسی

[1]تاریخ بغداد:ج١٢ص٤٠. [2] السیر:ج١١ص٤٣

. طرح ہمارے زمانے میں امام العصر مجدد ملت محدث البانی رحمہ اللہ کے شاگردوں نے بھی شیخ محترم کا بہت احترام کیا، جو ان سے سوالات کئے ان کو کتابی شکل میں محفوظ کیا والحمدللہ۔ راقم کے ناقص مطالعہ کے مطابق ابو اسحاق الحوینی، علی حسن الحلبی اور ابن ابی العینین حفظہم اللہ کے سوالات مطبوع ہیں اور عقیدہ و منہج میں تو کئی جلدوں پر مشتمل شیخ ناصر الدین کی کتب شائع ہو چکی ہیں ان میں بھی بے شمار سوالات کے جوابات محفوظ ہیں، لیکن افسوس کہ برصغیر میں اساتذہ کے جوابات کو کتابی شکل میں جمع نہیں کیا جاتا، شاید ادھر علم کو ضائع کرنے والے بہت ہیں اور قدر دان کم ہیں۔

تصانیف:

آپ نے ساری زندگی علوم حدیث پر کتب تصنیف فرمائیں ان کی تعداد ۵۳ بنتی ہے ان میں سے بعض مطبوع ہیں اور بعض مخطوط ہیں ان کی ضروری تفصیل پیش خدمت ہے:

١:أحادیث الصفات ٢:أحادیث النزول ٣:الأفرادوالغرائب ۴:الالزامات ۵:التتبع ۶:الرؤیة ٧سؤالات البرقانی للدارقطنی ٨:سؤالات الحاکم لہ ٩:سؤالات السہمی لہ ١٠:السنن ١١:الضعفاء والمتروکون ١٢:العلل الواردة فی الأحادیث النبویة ١٣:غرائب مالک ١۴:المؤتلف والمختلف فی أسماء الرجال

وفات: آپ ۳۸۵ھ کو فوت ہوئے۔ آپ کی نماز جنازہ امام ابو حامد الاسفرائینی الفقیہ نے پڑھائی۔[1]

[1]سیر اعلام النبلاء:۴۳-١١.

١:سنن الدارقطنی:

امام دار قطنی کی یہ مشہورِ زمانہ کتاب ہے جس میں احادیث کی تعداد ۴۸۳۵ ہے۔اس میں صحیح احادیث بھی ہیں اور ضعیف بھی۔اس کتاب میں امام صاحب نے درج ذیل منہج اپنایا ہے: ا:فقہی ترتیب: اس کتاب میں تمام احادیث فقہی ترتیب کے مطابق لکھی گئی ہیں مثلا پہلے، کتاب الطہارۃ پھر کتاب الصلاۃ۔۔۔الی آخرہ۔اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فقہ میں خوب مہارت تھی، بلکہ فقہ کی جزئیات تک نظر تھی، اس لئے تو احکام کے متعلق احادیث کو سنن الدار قطنی میں جمع کیا ہے اور جن ضعیف اور موضوع روایات سے بعض فقہاء استدلال کرتے تھے ان کے ضعف کو واضح کیا ہے۔

۲:جو حدیث جتنے شیوخ سے سنی ہوئی ہیں ان تمام کا نام لیتے ہیں اور سند کی تبدیلی کے وقت "ح" لکھتے ہیں مثلا حدیث نمبر ا چار شیوخ اور حدیث نمبر ۲ چھ شیوخ سے بیان کرتے ہیں۔

۳:امام دار قطنی کا کوئی استاد اپنے کئی شیوخ سے حدیث بیان کرے تو امام دار قطنی ان تمام کے نام لکھتے ہیں۔ مثلا دیکھیں حدیث نمبر (۱۱)

۴:امام دار قطنی غریب الحدیث کا بھی اہتمام کرتے ہیں مثلا قلتین کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ ابن عرفۃ نے کہا ہے کہ میں نے ھشیم سے سنا کہ قلتین سے مراد "الجرتین الکبار" ہے۔

۵:امام دار قطنی کی یہ کتاب اصل میں علل کی کتاب ہے۔ ہر حدیث کی زیادہ سے زیادہ سندیں بیان کرتے ہیں، پھر ان میں اختلاف نقل کرتے ہیں اور بعض دفعہ راجح بھی لکھتے ہیں، مثلا حدیث نمبر:۲۰ میں لکھتے ہیں: والمحفوظ عن ابن عیاش۔

۶:اگر کسی روایت کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف ہو تو امام دار قطنی رحمہ اللہ اس اختلاف کو بیان کرکے راجح کی تعیین کرتے ہیں مثلا دیکھیں(حدیث نمبر:۷۷،۲۹)

۷:اگر کوئی کثیر الخطاراوی حدیث بیان کرنے میں غلطی کرے تو امام دار قطنی رحمہ اللہ اس غلطی کو بیان کرتے ہیں مثلا دیکھئے (حدیث نمبر:۳۸)
۸:امام دار قطنی جرح و تعدیل کے امام تھے یہی وجہ ہے کہ وہ ہر ہر باب میں جو ضعیف روایات ہوں ان کی نشان دہی ضرور کرتے ہیں اور ضعیف روایت کی علت بیان کرتے ہیں مثلا حدیث نمبر:۷۴ میں لکھتے ہیں کہ رشدین بن سعد لیس بالقوی ہے۔ حدیث نمبر ۷۰ میں لکھتے ہیں ابن ابی ثابت لیس بالقوی۔ حدیث نمبر ۷۵ میں لکھتے ہیں ابان بن عیاش متروک۔ حدیث نمبر ۸۴ میں لکھتے ہیں سعید بن ابی سعید ضعیف، حدیث نمبر ۸۶ پر تبصرہ کرتے ہیں غریب جدا خالد بن اسمعیل متروک، اسی طرح اگر کوئی روایت مرسل ہو تو اس کی وضاحت کر دیتے ہیں مثلا دیکھئے حدیث نمبر:۴۹
۹:امام دار قطنی اپنی اس کتاب میں مرفوع کے علاوہ صحابہ (ح:٦٦) تابعین کے اقوال بھی باسند لائے ہیں مثلا دیکھئے (حدیث نمبر:۵۳)

۱۰:بعض احادیث کا صحیح ہونے کا حکم لگاتے ہیں مثلا حدیث نمبر:۸۷ پر لکھتے ہیں اسنادہ حسن۔ حدیث نمبر ۸۵ پر لکھتے ہیں ھذا اسناد صحیح۔ نیز دیکھیں ح ۹۶ بعض دفعہ کئی احادیث پر اکٹھا ہی حکم لگا دیتے ہیں مثلا حدیث نمبر ۱۰۱ سے ۱۰۳ تک کی احادیث کو ان الفاظ میں حکم لگاتے ہیں: ھذہ اسانید صحاح۔

۱۱:امام دار قطنی رحمہ اللہ اپنی خاص سند کا لحاظ کرتے ہوئے الگ الگ سند پر حکم لگاتے ہیں اس لئے سنن الدار قطنی کے مطالعہ کے دوران کئی ایک متون صحیح بخاری سے ملتے جلتے نظر آئیں گے لیکن ان کی سند جو امام دار قطنی رحمہ اللہ کو ملی اس میں ضعیف یا متروک راوی ہو تو اس کی وضاحت کر دیتے ہیں حالانکہ اس متن کے کئی اور طرق بھی ہوتے ہیں امام دار قطنی ان کا لحاظ کرتے ہوئے متن حدیث کو صحیح یا حسن قرار نہیں دیتے بلکہ اپنی خاص سند کا لحاظ کرتے ہوئے حکم لگاتے ہیں۔یہی تحقیق سنن الدار قطنی کے محقق شیخ مجدی بن منصور حفظہ اللہ نے پیش کی ہے۔[1]

[1]مقدمہ تحقیق سنن الدارمی ج۱ص۴.

۲:رؤیۃ اللہ:

امام دار قطنی عقیدے کا ایک اہم مسئلہ کہ " قیامت کو مومن اللہ تعالی کا دیدار کریں گے "کے موضوع پر اپنی اس کتاب میں ۲۸۷ مرفوع باسند احادیث لائے ہیں۔جن میں اسی ایک مسئلے کا اثبات کیا گیا ہے۔اصول حدیث کی اصطلاحات میں اس کو" جزء فی رؤیۃ اللہ" کا نام دینا چاہئے۔

۲:بعض احادیث پر صحت وضعف کے اعتبار سے حکم بھی لگائے ہیں۔مثلا پہلی حدیث کے آخر میں لکھتے ہیں: قال الدار قطنی:"ہذا حدیث صحیح أخرجہ البخاری فی صحیحہ"

۳:بعض احادیث کے آخر میں اسناد کا اختلاف نقل کرتے ہیں،مثلا دس نمبر حدیث کے آخر میں سند کا اختلاف نقل کیا ہے۔

۴:فی کتابہ کی وضاحت۔امام دار قطنی رحمہ اللہ اپنی کتاب میں اس روایت کی" فی کتابہ "کہہ کر وضاحت کرتے ہیں جو شیخ نے اپنی کتاب سے بیان کی ہو گی۔مثلا دیکھیں حدیث نمبر:۴۸ ۵: کبھی سند کے شروع میں اپنے شیخ کا نام تفصیل سے لکھتے ہیں۔مثلا:حدثنا أبوبکر أحمد بن محمد بن اسماعیل الآدمی المقریء الشیخ الصالح (حدیث نمبر:۴۹)

۶:بعض راویوں پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے حکم لگاتے ہیں مثلا حدثنا ابوبکر احمد بن محمد بن اسماعیل الآدمی المقری الشیخ الصالح (حدیث نمبر:۴۹)

۷:امام دار قطنی مسانید کے طرز پر صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے نام سے روایت بیان کرتے ہیں پھر اس کی مختلف سندوں کو بیان کرتے ہیں اور ہر ہر سند کے ساتھ اس کا متن بھی بیان کر دیتے ہیں۔مثلا حدیث أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ بحث کرتے ہیں۔۔۔آج بھی جو انسان اپنے آپ کو خدمتِ حدیث کے لئے وقف کرلے اللہ تعالی اس کو بہت کچھ عطا فرما دیتا ہے لیکن افسوس کہ ڈگریوں کے چکر اور فکرِ معاش نے محدثین کی فکر رکھنے والے کھو دیئے!! [1]

۴:جزء ابی طاہر

اس جزء میں ۱۶۲ احادیث ہیں جن کو امام دار قطنی نے ابو طاہر کی سند سے روایت کیا ہے اس میں مختلف موضوعات کے متعلق احادیث ہیں۔

۵:الالزامات

اس کتاب میں ان احادیث کو جمع کیا گیا ہے جو امام دار قطنی رحمہ اللہ کی تحقیق کے مطابق صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ہونی چاہئے تھیں، کیونکہ انھیں کی مثل احادیث بخاری یا مسلم میں ہیں تو یہ کیوں نہیں، اس کتاب کی وجہ تسمیہ خود امام دار قطنی رحمہ اللہ یہی لکھی ہے۔[2]

یہ گویا ایک طرح کے الزام ہیں کہ امام بخاری یا امام مسلم فلاں روایت اپنی اپنی صحیح میں کیوں نہیں لائے، حالانکہ وہ بھی ان کی شروط پر تھی۔

۶: التتبع:

امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اس کتاب میں ان روایات کو موردِ الزام ٹھہرایا ہے جو صحیح بخاری و صحیح مسلم میں ہیں۔ امام دار قطنی کی تحقیق میں ان میں کوئی نہ کوئی علت ہے۔

فائدہ: امام دار قطنی رحمہ اللہ کے یہ دو الگ الگ رسالے ہیں الالزامات الگ ہے اور التتبع الگ ہے لیکن ان دونوں کا تعلق صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے ہے اس لئے اہل علم نے ان دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔ ۲۱۸ صحیح بخاری اور صحیح مسلم یا صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی روایات کو معلول قرار دیا ہے۔ یاد رہے امام دار قطنی کے ان اعتراضات کے جوابات محدثین

[1]ہم نے اپنی دو حصوں پر مشتمل کتاب''نصیحتیں میرے اسلاف کی''شائع کی ہے یہ کتاب طالب علم کو بہت اونچا منہج دیتی ہے-جو بھی طالب علم ہماری اس کتاب کو دل لگا کر پڑھے گا اس کے اندر محدثین جیسی تڑپ اور فکر پیدا ہو گی-ان شاء اللہ (الحسینوی). [2] دیکھئے: الالزامات والتتبع(ص:۶۴)

نے دے دیئے ہیں مثلا حافظ ابن حجر العسقلانی نے ھدی الساری میں اور شیخ مقبل نے الالزامات والتتبع کے حاشیے میں فجزاھما اللہ خیرا، امام دار قطنی کے اعتراضات مرجوح ہیں اور ان میں حق مام بخاری اور امام مسلم کے ساتھ ہے، یعنی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی تمام مسند احادیث صحیح ہیں اور اس پر امت کا اتفاق ہے۔

۷: کتا□ الصفات

اس کتاب میں امام دار قطنی نے ان احادیث کو جمع کیا ہے جن کا تعلق اللہ تعالی کی صفات کے ساتھ ہے مثلا اللہ تعالی کے قدم ہیں، اللہ تعالی کے ہاتھ ہیں اور دونوں ہاتھ دائیں ہیں، اللہ تعالی کی انگلیاں ہیں وغیرہ۔ اس میں ہر ہر صفت کو باسند مرفوع احادیث سے ثابت کیا ہے۔ والحمد للہ

۸: غرائب مالک

اس کتاب میں امام دار قطنی رحمہ اللہ نے موطا امام مالک سے ان روایات کو جمع کیا ہے جو منفرد اور غرائب ہیں اور ان روایات پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے بحث کی ہے

۹: فضائل الصحابۃ

فضائل صحابہ رضی اللہ عنھم اجمعین پر ایک عجیب وغریب انداز میں لکھی ہوئی کتاب ہے۔ اس انداز میں امام دار قطنی کو سبقت حاصل ہے۔ اس کتاب میں امام دار قطنی کے منہج کی ضروری تفصیل درج ذیل ہے۔ امام دار قطنی نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ کی تعریف سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کی اولاد سے ثابت کی ہے۔ یہ کتاب ان گم راہ لوگوں پر زبردست رد ہے جو فضیلت علی رضی اللہ عنہ کے قائل ہیں، لیکن صدیق اکبر کے نہیں۔ امام دار قطنی سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ۲۱۰ احادیث وآثار لائے ہیں۔

سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تعریف میں سیدنا علی رضی اللہ کے بیٹوں اور ان کے اہل وعیال سے مروی، ۱۶۰حادیث و آثار لائے ہیں بس یہ کتاب اسی پر مکمل ہو جاتی ہے۔

۱۰: النزول

اس کتاب میں امام دار قطنی رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو(۷۸) احادیث سے ثابت کیا ہے کہ اللہ تعالی آسمانِ دنیا کی طرف رات کے آخری تہائی حصے میں اترتے ہیں۔ سبحان اللہ، محدثین کی زندگیاں دینِ اسلام کی خدمت کے لئے وقف تھیں کہ انہوں نے کس قدر محنت سے ہر ہر مسئلے پر کتب تصنیف کیں۔ یہاں تک کہ صرف اللہ تعالی کی صفات پر کئی ایک کتب تالیف فرمائیں۔فجزاھم اللہ خیرا

اس کتاب میں مسانید کے انداز سے احادیث جمع کی گئی ہیں۔ سب سے پہلے وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی احادیث لائے ہیں پھر سیدنا جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کی پھر دیگر صحابہ کرام کی۔

امام دار قطنی کی کتبِ جر ح وتعدیل کا منہج

سؤالات ابی بکر البرقانی للامام الدارقطنی فی الجرح والتعدیل

۸۴۳ رواۃ پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے سؤال وجواب ہیں۔ حروف تہجی کے اعتبار سے یہ کتاب مرتب ہے۔اس کتاب میں اکثر امام دار قطنی کے شیوخ یا شیوخ کے شیوخ کا تذکرہ ہے۔

سؤالات ابی عبدالرحمن السلمی للامام الدارقطنی فی الجرح والتعدیل وعلل الحدیث

۵۱۸ رواۃ پر بحث ہے۔ حروف تہجی کے اعتبار سے یہ کتاب مرتب ہے۔

سؤالات ابی عبداللہ الحاکم النیشا بوری للامام الدار قطنی فی الجرح والتعدیل وعلل الحدیث

۵۳۵ رواۃ پر بحث ہے۔ حروف تہجی کے لحاظ سے رواۃ مرتب ہیں۔ امام حاکم نے اہل عراق کے رواۃ جن کا انہیں علم نہیں تھا،ان کے نام لکھے اور امام دار قطنی پر پیش کر دیئے۔ انہوں نے ان تمام پر حکم لگا دیا۔

سؤالات حمزۃ بن یوسف السَہمی للامام ابی الحسن الدارقطنی فی الجرح والتعدیل وعلل الحدیث

امام حمزہ السہمی نے سؤالات صرف امام دار قطنی سے نہیں کیے بلکہ اس دور کے اور بھی محدثین پر کیے تھے مثلاابو بکر الاسماعیلی،ابن غلام الزہری، ابو زرعہ الکشی، ابو مسعود الدمشقی وغیرہ۔ اس لحاظ سے یہ کتاب دیگر کتب سؤالات سے منفرد ہے۔ نیز اس کتاب میں کئی ایک متقدمین ائمہ جرح و تعدیل کے اقوال بھی موجود ہیں۔ کل رواۃ ۴۶۰ ہیں۔

سؤالات ابی عبداللہ بن بکیر البغدادی للام الدارقطنی فی الجرح والتعدیل وعلل الحدیث

امام ابن بکیر بغدادی نے امام دار قطنی سے صرف ان رواۃ کے بارے میں سؤالات کیے جو صحیح بخاری، صحیح مسلم اور الضعفاء للنسائی کے راوی تھے۔کل تعداد ۵۶ ہے۔شروع میں ۳۱ رواۃ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب ہیں پھر" الباب الثانی ذکر ماورد فی اثبت اصحاب الشیوخ الذین دار علیھم الاسناد" قائم ہے۔اس میں ۳۷ سے لے کر ۵۶ تک روات ہیں۔کتاب کی ترتیب مشہور محدثین کے شاگردوں پر الگ الگ فصول کی شکل میں ہے، مثلاً اصحاب ابن جریج وغیرہ

موسوعۃ اقوال الدار قطنی

اس کتاب کو السید ابوالمعاطی النوری نے جمع کیا ہے۔اس کتاب میں امام دار قطنی کی تمام کتب اور دیگر کتبِ جرح وتعدیل سے امام دار قطنی کے اقوال جمع کیے ہیں۔یہ کتاب مختلف ابواب پر مشتمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

الباب الاول:اسماء الرجال

الباب الثانی:کنی الرجال

الباب الثالث:الابناء

الباب الرابع:الانساب

الباب الخامس:الالقاب

الباب السادس:المبہمات من الرجال

الباب السابع:اسماء النساء

الباب الثامن:الکنی من النساء

الباب التاسع:فی مصطلح الحدیث

الباب العاشر:فی مصطلح الحدیث

الباب الحادی عشر:فی العقیدہ

الباب الثانی عشر:فی العلل

الباب الثالث عشر:فی الانساب

امام دارقطنی کی دیگر کتبِ جر ح وتعدیل

اسماء التابعین

تعلیق و استدراکات الدارقطنی علی کتاب المجروحین لابن حبان

الذیل علی التاریخ الکبیر

کتاب الرواۃ عن مالک

کتاب الضعفاء والمتروکین

کتاب العلل الواردۃ فی الاحادیث النبویۃ

امام ابن حبان رحمہ اللہ کی کتبِ رجال کا منہج

مکمل نام: ابوحاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان بن معاذ بن معبد بن شہید البستی الخراسانی رحمہ اللہ نسبتیں: التمیمی، الدارمی، البستی

پیدائش اور وفات: آپ ۲۷۱ھ میں پیدا ہوئے اور سجستان میں شوال ۳۵۴ھ کو

وفات پائی۔

مقام ومرتبہ: امام حاکم نے کہا: کان من أوعیۃ العلم۔۔ومن عقلاء الرجال۔ [1]

امام ذہبی نے کہا: الامام العلامۃ الحافظ المجود شیخ خراسان۔[2]

امام خطیب بغدادی نے کہا: کان ابن حبان ثقۃ نبیلا فہما۔ [3]

امام ابن حجر نے کہا: کان من ائمۃ زمانہ۔ [4]

امام ابن الاثیر نے کہا: امام عصرہ۔ [5]

فن رجال پر کتب:

التاریخ الکبیر

تاریخ الثقات

کتا ب المجروحین

علل اوہام المؤرخین

علل مناقب الزہری عشرون جزء ا

علل حدیث مالک عشرۃ اجزاء

علل ما اسند ابوحنیفۃ عشرۃ اجزاء

ماخالف فیہ سفیان شعبۃ ثلاثۃ اجزاء

ما خالف فیہ شعبۃ سفیان جزء ان الکنی

کل کتب ۲۶ تصنیف کیں، لیکن اکثر کتب ضائع ہو گئیں۔ ہمارے پیش نظر ان کی دو کتب ہیں جن کا منہج پیش خدمت ہے۔ یہ دونوں کتب انہوں نے اپنی کتاب التاریخ الکبیر

[1]لسان المیزان:۱۱۴-۵. [2] سیر اعلام النبلاء:۹۲-۱۶. [3] طبقات الحفاظ ص:۳۷۶. [4] لسان المیزان:۱۱۲-۵. [5] اللباب فی تہذیب الانساب:۱۵۱-۱.

سے اخذ کیں۔

الثقات لابن حبان کا منہج:

امام ابن حبان جلیل القدر امام تھے، ان کی خدماتِ حدیث بہت زیادہ ہیں۔ ایک طرف انہوں نے حدیث کی ایک بہت قیمتی کتاب جو "صحیح ابن حبان" کے نام سے مشہور ہے، لکھی تو دوسری طرف فنِ رجال پر دو معتبر کتب "الثقات" اور" المجروحین" بھی لکھیں۔ بعض متاخرین نے انہیں مطلقا متساہل قرار دیا ہے جو بالکل غلط ہے۔ تاہم امام ابن حبان مجہولین کو ثقہ کہنے میں متساہل ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

ل ہے کہ راوی سے روایت لینے والا ثقہ ہو اور کسی نے اس پر جرح نہ کی ہو، اس کی روایت منکر نہ ہو، تو وہ راوی ثقہ ہوتا ہے۔ اس موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہ عجیب مذہب ہے جمہور اس کے خلاف ہیں۔ یہی ابن حبان کا اسلوب ان کی کتاب الثقات میں ہے، چنانچہ اس میں انہوں نے بہت سے راویوں کا ذکر کیا ہے، جنھیں امام ابو حاتم وغیرہ نے مجہول کہا ہے۔[1]

امام ابن حبان نے الثقات کے مقدمہ میں یہ اصول بیان کیا ہے کہ جس راوی سے کوئی ثقہ راوی روایت کرنے والا ہو اور اس پر کوئی جرح نہ ہو اور اس کی روایت منکر بھی نہ ہو تو وہ راوی ثقہ ہے۔ علامہ ابن عبد الھادی نے اس اصول پر تفصیل سے رد کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ امام ابن حبان ایسے رواۃ بھی الثقات میں لے آئے ہیں جن سے خود بھی واقف نہیں۔ مثلا سہل یروی عن شداد بن الھاد کے بارے میں امام ابن حبان لکھتے ہیں کہ ولست اعرفہ، ولا ادری من ابوہ؟ اس طرح کی کافی مثالیں ابن عبد الھادی نے اپنی کتاب الصارم المنکی (۳۷۴-۳۷۶) میں بیان کی ہیں۔[2]

[1]لسان المیزان: ۱۴-۱)نیز دیکھیے:اعلاء السنن فی المیزان(ص: ۲۹۵-۲۹۹. [2] نیز دیکھیں: لسان المیزان (۹۳-۱-۹۴.(

حافظ ابن حجر نے کہا: اگر مجہول الحال راوی جرح و تعدیل سے خالی ہو اور اس کا شیخ اور شاگرد دونوں ہی ثقہ ہوں اور اس نے کوئی منکر خبر بیان نہ کی ہو تو وہ ابن حبان کے نزدیک ثقہ ہے۔ اس قسم کے رواۃ کی تعداد الثقات لابن حبان میں کافی ہے۔[1]

حافظ ذہبی موقظہ (ص:۷۸) میں لکھتے ہیں: متاخرین میں کئی جماعتوں کے ہاں ثقہ کا اطلاق مجہول الحال راوی پر مشہور ہے۔ اسے مستور بھی کہتے ہیں اور "محلہ الصدق" اور "شیخ" کے لفظ سے بھی ذکر کرتے ہیں۔ ان اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے فاضل بھائی ابو المحبوب انور شاہ الراشدی حفظہ اللہ

لکھتے ہیں: میں کہتا ہوں کہ یہ اس صورت میں ہے کہ اگر اس نے کوئی منکر حدیث بیان نہ کی ہو، یہی بات خود حافظ ذہبی نے بھی دوسری جگہ کہی ہے، یعنی "عدم نکارت" کی شرط لگائی ہے۔ آپ میزان لاعتدال میں مالک بن الخیر کے ترجمے میں فرماتے ہیں: والجمہور علی ان من کان من المشائخ قد روی عنہ جماعۃ، ولم یأت منکر بما ینکر علیہ ان حدیثہ صحیح۔

علامہ معلمی یمانی رحمہ اللہ نے الثقات کے راویوں کو پانچ درجوں میں تقسیم کیا ہے۔[2] [1]

[فتح المغیث:۳۷-۱. [2] التنکیل:۴۳۵-۱-۴۳۴،،علم حدیث کو کھلواڑ اور بازیچہ اطفال بنانے کی مذموم کوشش۔۔قسط:۱۹.

کیاامام ابنِ حبان جرح میں متشدد اور توثیق میں متساہل ہیں ؟

یہ بات علامہ عبدالحیء لکھنوی حنفی رحمہ اللہ نے لکھی ہے کہ امام ابن حبان جرح میں متشدد اور توثیق میں متساہل ہیں۔[2]

امام ذہبی نے ایک جگہ کہا:فأما ابن حبان فأسرف واجترأ۔[3] ایک جگہ لکھتے ہیں:وأما ابن حبان فانہ خساف قصاب۔[4]

اسی طرح حافظ ابن حجر نے بھی بعض مقامات پر امام ابن حبان کی سختی کا ذکر کیا ہے۔

[1]الثقات:۴۰۴-۶ نیز دیگر مثالیں دیکھنے کے لیے رجوع کریں۔ الثقات:۱۸۷-۹،۳۶۴-۸،۴۵-۸،۳۴۵-۷. [2] الرفع والتکمیل ص:۲۶۴. [3] میزان:-۳ ۳۵۰. [4] میزان:۵۹-۵.

سے مخاصمہ کیا جائے۔[1]

شیخ معلمی یمانی نے(التنکیل: 1 / 435 436)) امام ابن حبان کی توثیق کو پانچ اقسام میں تقسیم کیا ہے، ان کے ہاں پہلی چار قسمیں اپنے اپنے درجات کے اعتبار سے قبولیت کے درجے پر ہیں اور آخری قسم میں خلل کا اندیشہ ذکر کیا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وإن مما یجب التنبیہ علیہ أیضاً ؛ أنہ ینبغی أن یضم إلی ما ذکرہ المعلمی أمر آخر ہام،عرفتہ بالممارسۃ لہذا العلم،قلَّ من نبہ علیہ،وغفل عنہ جماہیر الطلاب،وہو أن من وثقہ ابن حبان وقد روی عنہ جمع من الثقات،ولم یأت بما ینکر علیہ ؛ فہو صدوق یحتج بہ"

یعنی جس کی ابن حبان نے توثیق کی ہو، پھر ثقات کی ایک جماعت اس سے روایت کرتی ہو اور اس نے کوئی منکر روایت بیان نہ کی ہو تو وہ صدوق ہے، اس سے حجت پکڑی جائیگی۔[2]

اگر قارئین پوری " المجروحین " کو دیکھیں تو اندازہ ہو گا کہ امام صاحب روات کی احادیث کا سبر و تتبع کیا کرتے تھے۔ لیکن بات یہ ہے کہ حقائق یہ بتاتے ھیں کہ امام صاحب سے بہر حال "کتاب الثقات" میں بتقاضائے بشریت روات کے حوالے سے تساھل ہو گیا ہے اور اس میں انہوں نے

ایسے رواۃ کو بھی ذکر کر دیا ہے جنکی مناکیر واضح ھیں۔ اگر "کتاب الثقات" میں مذکور رواۃ کی مناکیر دیکھنا چاھتے ہیں تو "التاریخ الکبیر" للامام البخاری" میزان الاعتدال" للذھبی، "لسان المیزان" لابن حجر، اور "سلسلہ صحیحہ" سلسلہ ضعیفہ" اور "الارواء" للعلامہ البانی رحمھم اللہ کو ملاحظہ کیا جائے جن سے معلوم ہو جائے گا کہ ان روایات میں بظاہر کوئی بھی علت معلوم نہیں ہوتی ماسوائے "کتاب الثقات"

میں مذکور رواۃ کے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہر حال "کتاب الثقات" میں مذکور تمام رواۃ ثقہ نہیں، بلکہ خود امام ابن حبان کے نزدیک بھی وہ ثقہ نہیں۔

[1]فتح المغيث:(: 1/ 37. [2] تمام المنة: 25.

رواۃ کی ولادت، وفیات رحلات کا علم

علم رجال کی معرفت کے حوالے سے ایک مرحلہ یہ بھی آتا ہے کہ یہ دیکھنا چاہئے کہ راوی کی پیدائش کب ہے اور وفات کب ہے؟ روایتیں بھی آتی ہیں، حکایتیں بھی آتی ہیں اور اس کے بیان کرنے والے بھی اچھے خاصے راوی ہوتے ہیں، لیکن جس وقت تقابل کیا جاتا ہے، اس وقت پریشانی ہوتی ہے کہ یہ بات سچی اور درست معلوم نہیں ہوتی۔ بلکہ محدثین رحمۃ اللہ علیہم نے یہ جو وفیات کے علم کو جاننے کا ایک مستقل عنوان رکھا ہے۔ کیونکہ کچھ ایسے راوی ہیں جو کہتے ہیں کہ میں نے فلاں سے سماع کیا ہے، فلاں سے سماع کیا ہے، اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے لئے، اور بڑا بنانے کے لئے، لیکن جب پوچھا جائے کہ آپ پیدا کب ہوئے؟ تو کہتے ہیں جی فلاں سن میں۔ جب پیدائش کی بات بتلاتے ہیں تو عُقدہ کھل جاتا ہے کہ یہ تو پیدا ہی حضرت صاحب کی پیدائش کے بعد ہوئے ہیں۔ تو اس طرح اس کا جھوٹ واضح ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر دیکھئے کہ اسماعیل بن عیاش نے ایک راوی سے پوچھا کہ "فی ای سنة کتبت من خالد بن معدان"، خالد بن معدان سے کب سماع کیا ہے۔ تو وہ کہنے لگے کہ ۱۱۳ھ میں، میں نے خالد بن معدان سے سماع کیا ہے۔ تو وہ کہنے لگے: "انت تزعم انک سمعت منه بعد موته بسبع سنین" کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم نے ان کے مرنے کے بعد قبر میں جاکے سات سال بعد ان سے سماع کیا ہے۔ [1]

وہ تو سات سال پہلے فوت ہو چکے تھے، تو اس راوی کا جھوٹ ثابت ہو گیا، یعنی راویوں کے پرکھنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ راویوں کا سماع دیکھا جائے، ان کی ولادت و وفات دیکھی جائے۔ اسی طرح معلی بن عرفان[2] کہتے ہیں کہ حدثنی ابو وائل خرج علینا ابن مسعود بصفین ،[3] آپ جیسا ہوشیار آدمی بیٹھا تھا، وہ کہنے لگا کہ دیکھو! معلی کیا کہہ رہا ہے کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہمارے پاس صفین میں آئے، حالانکہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو فوت ہو گئے تھے عثمان غنی کے دور میں، تو صفین میں کب آئے؟ اس قسم کے راویوں کو پہچاننے کے لئے ایک ذریعہ یہ وفیات کا بھی ہے۔

[1]الجامع لاخلاق الراوی :۱/۱۳۲، نمبر : ۱۴۵، امتحان الراوی بالسوال عن وقت سماعہ ، فتح المغیث:۴/۳۶۶، تدریب الراوی:۲/۴۶۶، النوع الستون،التواریخ والوفیات، الکفایۃ : ۱۹۳۔ مختلف کتب میں یہ واقعہ موجود ہے لیکن اس میں تھوڑا اختلاف بھی ہے۔ جیسا کہ تدریب اور الجامع میں جو واقعہ ہے وہ وہی ہے جس طرف شیخ محترم اشارہ کررہے ہیں،جبکہ الکفایۃ ، ابن ابی حاتم کی الجرح والتعدیل ،حافظ ذہبی کی میزان میں بھی یہ واقعہ ہے ۔ عمر بن موسی بن وجیہ الحمصی کے حوالے سے ہے، اس میں تواریخ مختلف ہیں۔ ۱۱۳ھ کی جگہ ۱۰۸ ہے ،خالد بن معدان کی وفات یہاں ۱۰۴ھ بیان کی گئی ہے ،اس لحاظ سے درمیانی وقفہ ستر کی بجائے چار سال کا ہوا۔ فتح المغیث مینیہ دونوں واقعے موجود ہیں ،اور ان کی وفات کے حوالے سے اختلاف کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ دیکھئے : ۴/۳۶۶، دارالمنہاج [2] معلی بن عرفان الاسدی الکوفی ، ابن معین نے اسے لیس بشيء ، امام بخاری نے اسے منکر الحدیث امام نسائی نے اسے متروك الحدیث کہا ہے۔ حافظ ذہبی کہتے ہیں غالی شیعوں میں سے ہے، ابو حاتم نے ضعیف الحدیث ، ابو وائل کہتے ہیں ابو وائل سے مناکیر بیان کرتا ہے، دیکھئے : لسان المیزان : ۷/۱۲۴۔ نیز امام دارقطنی نے الضعفاء والمتروکین میں ذکر کیا ہے، ابن عدی نے الکامل فی

الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ امام ذہبی نے دیوان الضعفاء میں ذکر کیا۔ [3] مقدمہ صحیح مسلم ، فتح المغیث : ۴/۳۶۷، الجرح والتعدیل :۸/۳۳۰ ، اس پر تبصرہ کے طور پر ابن ابی حاتم نے ابو نعیم کا قول نقل کیا : ‘‘ فیا سبحان اللہ قبر ثم بعث بعد الموت’’

ایک بہت بڑے قاضی اصبغ بن خلیل القاضی[1] نے ایک روایت بیان کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہی اپنی سند بیان کر کے کہتے ہیں کہ میں نے نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پیچھے نمازیں پڑھی، میں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی نمازیں پڑھیں، عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی نمازیں پڑھیں اور عثمان رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی۔ اور کوفہ میں علی رضی اللہ عنہ کے پیچھے بھی نمازیں پڑھیں، اور نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بھی اور خلفاء راشدین بھی نماز میں رفع الیدین نہیں کرتے تھے[2] یہ بات اصبغ بن خلیل بیان کرتا ہے جو مالکی فقیہ ہے اور قاضی ہے، پچاس سال تک عہدہ قضاء پر فائز رہا ہے۔ مگر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو فوت ہوئے عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور میں اور علی رضی اللہ عنہ کوفہ میں نمازیں پڑھانے لگے جب وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ چھوڑ کر چلے گئے، تو کیا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قبر سے نکل کر انہوں نے نمازیں پڑھی تھیں؟؟ تو اصبغ بن خلیل کا یہ جھوٹ نتر گیا، اس کا جھوٹا ہونا ثابت ہو گیا۔ اسی قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ جو کہ ایک بڑے امام ہیں، انہوں

[1]اصبغ بن خلیل القرطبی الاندلسی المالکی حافظ ذہبی کہتے ہیں کہ بڑے عبادت گزار اور صاحب ورع تھے۔اسے ابن الفرضی نے متہم بالکذب کہا بلکہ اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ ‘‘كان أصبغ بن خليل حافظًا للرأى على مذهب مالك فقيهًا في الشروط بصيرًا بالعقود ودارت عليه الفُتيا ولم يكن له علم بالحديث، وَلا معرفة بطرقه بل كان يعاديه ويعادي أصحابه’’(لسان المیزان : ۲/۱۵۲)قاسم بن اصبغ نے اصبغ بن خلیل سے مصنف ابن ابی شیبہ کی توہین پر مبنی سخت کلمات سنے تو اس کو بددعا کی (سیر اعلام النبلاء : ۱۳/۲۰۲، مؤسسۃ الرسالۃ) [2] حافظ ذہبی یہ روایت نقل کرنے کے بعد قاضی عیاض کا اس پر تبصرہ نقل کیا : ‘‘فوقع في خطأ عظيم بين، منها أن سلمة بن وردان لم يرو عن الزهري، ومنها أن الزهري لم يرو عن الربيع بن خثيم ولا رآه. ومنها قوله - عن ابن مسعود: صليت خلف على بالكوفة خمس سنين، وقد مات ابن مسعود في خلافة عثمان بالإجماع’’ اور پھر خود تبصرہ کیا کہ ‘‘قلت: ومنها أنه ما صلى خلف عمر وعثمان إلا قليلا، لأنه كان في غالب دولتهما بالكوفة، فهذا من وضع أصبغ’’ (میزان الاعتدال)

نے تفسیر میں بھی اور تاریخ میں بھی، تفسیر میں سورۃ العصر کی تفسیر میں اور البدایۃ والنہایۃ کی چھٹی جلد میں ذکر کیا ہے کہ جناب عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ مسیلمہ کذاب کے پاس گئے، کب؟ ‘‘فی الجاھلیۃ’’ جاہلیت کے دور میں۔ جب صنعاء میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ ملاقات ہوئی۔ مسیلمہ نے کہا کہ آج کل آپ کے صاحب پر کیا نازل ہوا؟ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہنے لگے کہ آج کل ایک سورت نازل ہوئی [وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝]، وہ کہنے لگا اچھا مجھ پر بھی وحی نازل ہوئی ہے۔ مسیلمہ نے اپنے بنائے ہوئے الفاظ عمرو کے سامنے نقل کر دیئے۔ اب یہ واقعہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نقل کرتے ہیں۔[1] اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ پہلے تو سورت جس طرح کہ سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان میں کہا ہے کہ یہ وہ سورت ہے جو نزول کے اعتبار سے تقریباً بارھویں یا تیرھویں نمبر پر ہے۔[2] یعنی اوائل میں یہ سورت نازل ہوئی ہے۔ اس وقت عمرو بن عاص مسلمان نہیں تھے، مسیلمہ نے دعوی نبوت عام الوفود کے بعد ۹ ہجری کے بعد کیا ہے، بلکہ عام الوفود میں یہ نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[1]تفسیر ابن کثیر : ۸/۴۴۹،دارالحدیث القاھرۃ، تفسیر سورۃ العصر ،اور سورۃ یونس کی آیت نمبر:17 کے تحت، البدایۃ والنہایۃ :۹/۴۷۴، مقتل مسیلمۃ کذاب لعنہ اللہ، طبع دار عالم الکتب [2] عکرمہ اور حسن بن ابی الحسن کا قول نقل کیا ،اس کے مطابق بارھواں نمبر ہے: ‘‘ما أنزل الله من القرآن بمكة: اقرأ باسم ربك ون والمزمل والمدثر وتبت يدا أبي لهب وإذا الشمس كورت وسبح اسم ربك الأعلى والليل إذا يغشى والفجر والضحى وألم نشرح والعصر’’(الاتقان: ۱/۵۰)ایک قول ابن عباس رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اس میں بھی سورۃ العصر کا نمبر بارھواں ہےچنانچہ اس کی عبارت یہ ہے : ‘‘ وكان أول ما أنزل من القرآن: اقرأ باسم ربك ثم ن ثم يا أيها المزمل ثم يا أيها المدثر ثم تبت يدا أبي لهب ثم إذا الشمس كورت ثم سبح اسم ربك الأعلى ثم والليل إذا يغشى ثم والفجر ثم والضحى ثم ألم نشرح ثم والعصر ’’ (الاتقان: ۱/۵۴) اور جو ترتیب جابر بن زید رحمہ اللہ سے بیان کی ہے اس میں اس کا تیرھواں نمبر بنتا ہے اس کی عبارت یہ ہے : ‘‘ عن جابر بن زيد قال: أول ما أنزل الله من القرآن بمكة: {اقرأ باسم ربك} ثم: {ن والقلم} ثم: {يا أيها المزمل} ثم: {يا أيها المدثر} ثم: {الفاتحة} ثم: {تبت يدا أبي لهب وتب} ثم: {إذا الشمس كورت} ثم: {سبح اسم ربك الأعلى} ثم: {والفجر} ثم: {والضحى} ثم: {ألم نشرح} ثم: {والعصر}’’ (الاتقان: ۱/۱۶۸) جابر بن زید والی رروایت کو علامہ سیوطی نے سیاق غریب اور اس کی ترتیب کو محل نظر قرار دیا۔ (الاتقان:۱/۱۶۹)

کے پاس حاضر ہوا ہے، مسیلمہ کا نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے پاس حاضر ہونا منقول ہے۔ بدایہ ہی میں ہے[1] کہ یہاں سے جانے کے بعد دعوی نبوت کیا ہے، اور یہ خود حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے لکھا ہے۔ اور یہ واقعہ بتلاتا ہے کہ جب اس نے دعوی نبوت کیا تو ابھی نبی صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مکہ میں تھے۔ لہذا تاریخی اعتبار سے یہ حکایت درست ثابت نہیں ہوتی۔

کہنے کا مقصد یہ ہے کہ احادیث ہوں یا واقعات ہوں ان کو پرکھنے کے لئے یہ سنین کا علم ملحوظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہاں ایک اور لطیفے کی بات سنئے! السیر الکبیر امام محمد رحمہ اللہ کی کتاب ہے، اس کے بارے میں علامہ السرخسی نے اور انہی کے حوالے سے عقود رسم المفتی میں ابن عابدین رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ السیر الکبیر جب امام محمد نے لکھی تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے اس کو دیکھا اور کہا کہ یہ سیر کا علم اہل کوفہ کا علم نہیں یہ اہل شام کا علم ہے، امام محمد رحمہ اللہ کو پتہ چلا تو انہوں نے السیر الکبیر لکھی، اور اس سے امام اوزاعی رحمہ اللہ مبہوت ہوگئے، اور ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ "هو آخر تصنیف صنفه فی الفقه" یہ امام محمد کی فقہ میں آخری کتاب ہے۔[2]

اب سنین کے دائرے میں اس حکایت کو دیکھتے ہیں تو امام محمد ۱۳۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۸۹ھ میں فوت ہوئے ہیں، جبکہ امام اوزاعی ۱۵۸ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ گویا کہ یہ امام اوزاعی کی وفات کے بعد امام محمد بن حسن شیبانی ۳۱سال زندہ رہتے ہیں، اس کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ۳۱سالوں میں السیر الکبیر کے بعد کچھ نہیں لکھا حالانکہ یہ امر واقع کے خلاف ہے امام محمد رحمہ اللہ نے تو

[1]البدایة والنهایة :۷/۲۵۲، قصة ثمامة و وفد بنی خلیفة و معهم مسیلمة الكذاب لعنه الله ، طبع دار عالم الکتب، حافظ نے صحیح بخاری سے مسیلمہ کا کا قدوم ثابت کیا ہے، جوکہ صحیح بخاری کی حدیث نمبر ۴۳۷۸،۴۳۷۵،۴۳۷۴،۴۳۷۳، ۴۳۷۹ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے صحیح بخاری کی حدیث نمبر ۴۳۷۳ ے تحت ابن اسحاق سے نقل کیا ہے کہ مسیلمہ کا دعوی نبوت دسویں ہجری میں ہوا تھا۔ [2] رسم المفتی:۷

بہت کچھ لکھا ہے، بہت سی کتابیں لکھی ہیں، اب یہ کہنا کہ السیر الکبیر آخری کتاب ہے اور امام اوزاعی رحمہ اللہ نے دیکھی ہے۔ اگر آخری ہے تو اوزاعی نے کیسے دیکھ لی؟؟ حالانکہ وہ ۱۵۸ھ میں انتقال کرچکے ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کے واقعات کتابوں میں موجود ہیں لیکن اس قسم کے واقعات کا دائرہ معلوم کرنے کا ایک ذریعہ اس کی توثیق وتعدیل سے ہٹ کر اس کی ولادت ووفات کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے تاکہ پتہ چلے کہ اس کی اصل حقیقت کیا ہے یہ ثابت بھی ہے یا کسی بنانے والے نے بنالی ہے۔ بہت سی باتیں اس طرح بنائی ہوئی ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ کا آپس میں سماع نہیں ہے،[1] مگر کذابوں نے دونوں بزرگوں کے مابین ایک مناظرہ گھڑ لیا۔[2] بہر حال امر واقع میں یہ چیز صحیح محسوس نہیں ہوتی، یہ چیزیں ہمیں ملحوظ رکھنی چاہییں، جرح وتعدیل سے ہٹ کر بھی ان سنین، ولادت، وفیات وغیرہ کا ہمیں علم ہونا چاہئے۔

[1]دیکھئے : العلل و معرفة الرجال:۴۸۴۲، عبارت:'' لم یسمع الاوزاعی من ابی حنیفة شیئا ،انما عابه به'' [2] استاذ محترم جس واقعے کی طرف اشارہ فرمارہے ہیں وہ رفع الیدین کے حوالے سے مسند ابی حنیفہ میں موجود ہے: جس کی عبارت یہ ہے [اجتمع أبو حنيفة والأوزاعي في دار الحناطين بمكة، فقال الأوزاعي لأبي حنيفة: ما بالكم لا ترفعون أيديكم في الصلاة عند الركوع وعند الرفع منه؟ فقال أبو حنيفة: لأجل أنه لم يصح عن رسول الله ﷺ فيه شيء، فقال: كيف لم يصح وقد حدثني الزهري، عن سالم، عن أبيه، عن رسول الله ﷺ أنه كان يرفع يديه إذا افتتح الصلاة، وعند الركوع، وعند الرفع منه، فقال له أبو حنيفة: وحدثنا حماد، عن إبراهيم، عن علقمة، والأسود، عن عبد الله بن مسعود، أن رسول الله ﷺ كان لا يرفع يديه إلا عند افتتاح الصلاة، ولا يعود لشيء من ذلك، فقال الأوزاعي: أحدثك عن الزهري، عن سالم، عن أبيه، عن النبي ﷺ، وتقول: حدثني حماد، عن إبراهيم، فقال له أبو حنيفة: كان حماد أفقه من الزهري، وكان إبراهيم أفقه من سالم، وعلقمة ليس بدون ابن عمر في الفقه، وإن كانت لابن عمر صحبة، فله فضل صحبة، والأسود له فضل كثير، وعبد الله عبد الله، فسكت الأوزاعي] یعنی : امام ابوحنیفہ اور امام اوزاعی رحمہ اللہ مکہ میں دار حناطین میں اکٹھےہوئے تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے ابوحنیفہ سے کہا: تم لوگوں کو کیا ہوگیا ہے تم لوگ رکوع جاتے وقت اوررکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کیوں نہیں کرتے؟ تو ابوحنیفہ نے جواب دیا: اس لئے کہ اللہ کے رسول ﷺسے اس سلسلے میں کچھ بھی ثابت نہیں ہے ۔ تو امام اوزاعی رحمہ اللہ نے کہا: کیوں نہیں ثابت ہے جبکہ مجھ سے امام زہری نے بیان کیا ، انہوں نے سالم سے نقل کیا انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا انہوں نے اللہ کے رسول ﷺسے روایت کیا کہ: آپ ﷺ نماز شروع کرتے وقت ، رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع الیدین کرتے تھے ۔ تو امام ابوحنیفہ نے کہا: اور ہم سے حماد نے بیان کیا ، انہوں نے ابراہیم سے روایت کیا ،انہوں نے علقمہ اور اسود سے نقل کیا ، انہوں نے عبداللہ بن مسعودرضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ صرف نماز شروع کرتے وقت ہی رفع الیدین کرتے تھے ، اور اس کے بعد ایسا کچھ بھی نہیں کرتے تھے ۔ تو امام اوزاعی a نے کہا: مینجو حدیث پیش کررہا ہونوہ '' زہری عن سالم عن ابیہ عن النبیﷺ''کی سند سےہے اور اس کے مقابلے میں آپ ''حماد عن ابراہیم'' کی سند سے حدیث پیش کررہے ہیں ؟ امام ابوحنیفہaنے اس کے جواب میں ان سے کہا: حماد زہری سے زیادہ بڑے فقیہ تھے اور ابراہیم سالم سے زیادہ بڑےفقیہ تھے اور علقمہ بھی ابن عمررضی اللہ عنہ سے فقہ میں کم نہیں ہیں گوکہ ابن عمررضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور انہیں یہ شرفِ صحبت حاصل ہے ، اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس کے بعد امام اوزاعی رحمہ اللہ خاموش ہوگئے۔ یہ پورا واقعہ ہی جھوٹا ہے اس کتاب مسند کا جامع عبد اللہ بن محمد بن یعقوب بن الحارث الحارثی ہی امام ابوحنیفہ کے ڈیڑھ سو سال بعد کا ہے اور جھوٹا راوی ہے۔ پھر مزید اس میں محمد بن ابراهیم بن زیاد الرازي كذاب ہے۔ اسی طرح اس میں ایک راوی سلیمان بن داؤد شاذکونی ہے جس کے بارے میں کلام گزر چکی ہے اور اس مناظرے کے تفصیلی جائزے کے لئے دیکھئے:مقالات راشدیہ کی جلد نمبر۵صفحہ نمبر ۲۵۳تا ۳۴۸،جس میں سید بدیع الدین شاہ الراشدی رحمہ اللہ کے مقالہ '' کحل العینین لمن یرید تحقیق مناظرة الامام ابی حنیفة مع الاوزاعي فی رفع الیدین '' میں تفصیلی رد موجود ہے ، جوکہ اصلاً عربی میں ہے۔ مقالات راشدیہ میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے -

سوالات

سوال نمبر: ۱۔

شیطان کی روایت رسول اللہ ﷺ کی موافقت کی وجہ سے قبول کی گئی حالانکہ وہ کذاب تھا اور اس کا کذب زیادہ افسر تھا، جھوٹ سے ؟؟ ایسا کیوں ؟

جواب:

میں یہ جواب دے چکا ہوں کہ کذاب کی بات قابل قبول نہیں ہے، ہم نے شیطان کی بات کو شیطان کے تناظر میں نہیں لیا ہے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے تناظر میں لیا ہے، باقی یہ بات ٹھیک ہے کہ کذاب کبھی کبھی سچ بھی بولتا ہے لیکن کذب کی تہمت اس پر ایسی لگی ہے کہ اب اس کی کسی بات کا اعتماد نہیں رہتا۔ اسی طرح فاحش الغلط کی بھی کثرت خطا کی وجہ سے روایت مردود ہو جاتی ہے، جس طرح کذاب کی ہے، حالانکہ اس کی سب روایتیں غلط نہیں ہوتیں، لیکن اکثر ہوتی ہیں۔

سوال نمبر: ۲۔

جرح وتعدیل دونوں ہوں تو کس کو مقدم کیا جائے ؟

جواب:

عرض کر چکا ہوں کہ جرح اگر مفسر ہو تو مقدم ہے ورنہ تعدیل، اور یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ جرح کرنے والا متشدد ہے، معتدل ہے یا متساہل۔[1]

سوال نمبر:۳۔

بعض نے جرح کو تعدیل پر مقدم کیا ہے، کیا یہ صحیح ہے ؟

جواب:

ہاں ! لیکن یہ تب صحیح ہے جب جرح مفسر ہو۔ جب جرح مفسر نہ ہو تو علی الاطلاق مقدم نہ ہو گی۔

سوال: نمبر: ۴۔

جرح وتعدیل کو سمجھنے کے لئے کون سا طریقہ اختیار کیا جائے اور کون سی کتب مفید ہیں ان کا کیسے مطالعہ کیا جائے ؟

جواب:

جرح وتعدیل کے فن کو سمجھنے کے لئے بنیادی کتابیں، ایک کتاب تو میں نے آپ کے سامنے ذکر کی ہے، علامہ عبد الحئ رحمہ اللہ کی الرفع والتکمیل، جو اس فن میں بہت اچھی

کتاب ہے، اس کی تحقیق کی ہے، شیخ ابو غدۃ نے، اس کتاب کو سہہ چند مفید بنادیا ہے، سوائے بعض ان باتوں کہ جو علامہ کوثری کی بعض باتیں جو ان سے منقول ہے ان سے ہٹ کر۔ اس فن کو سمجھنے کے لئے التنکیل کی پہلی جلد کا مقدمہ اس سے بھی کسی صورت غفلت اختیار نہ کریں، یہ بھی ضروری ہے۔ اسی طرح حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مقدمہ جس میں انہوں نے صحیح بخاری کے راویوں پر اعتراضات کے جوابات دیئے ہیں، جرح والتعدیل کی تطبیقی صورتوں کو معلوم کرنے کے لئے فتح الباری کے مقدمے کے ان رجال کو پیش نظر رکھنا چاہئے، بلکہ انہاء السکن کو بھی دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میزان الاعتدال، تہذیب، اب تو سیر اعلام النبلاء، چھپ کر آگئی ہے، بلکہ اب تو بہت ساذخیرہ آگیا ہے کہ جنہیں دیکھنے کے لئے ہمارے اکابر کی آنکھیں ترستی تھیں، تلاش کرتے تھے، یہ کتابیں موجود بھی ہیں یا نہیں؟ ہیں تو کہاں ہیں؟ لیکن اب موجود ہیں ہمیں ان کی بھی مراجعت کرنی چاہئے۔

سوال نمبر:۵۔صدوق ربما یھم کی روایت کے بارے میں آپ نے بتایا ہے کہ قبول ہو گی لیکن ایسے راوی کی روایت کہ جس کے بارے میں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ وہم والی ہے یا نہیں، اس کا کیا حکم ہے؟

جواب:

میں نے عرض کیا ہے وہم کا پتہ تقابل سے ہوتا ہے کہ اس سے وہم ہوا ہے یا اس میں کوئی نکارت ہے۔

سوال نمبر:۶۔

خلط علیہ الاحادیث اور اختلاط میں کیا فرق ہے؟

جواب: خلط علیہ الاحادیث تو فحش الغلط کے زمرے میں آتا ہے اور مختلط جس کا ذہن خلط ملط ہو گیا ہو۔

سوال نمبر: ۷۔

واقعہ افک کے معاملے میں بعض صحابہ کے نام آئے ہیں کہ ان سے خطا ہوئی ہے؟

جواب:

الصحابۃ کلھم عدول، اگر ان کے نام آئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے معاف کرنے کے بعد اب ہمارے لئے اس میں کسی قسم کے شک وغیرہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی۔

سوال نمبر:۸۔

مروان بن حکم سے امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت لی ہے بعض لوگ اس پر اعتراض کرتے ہیں، اس کا جواب عنایت فرمادیں۔

جواب: اس حوالے سے دو باتیں ہیں۔ ا۔ امام بخاری نے مروان بن حکم سے روایت اصالۃ لی ہے یا متابعت میں۔ اگر متابعتاً لی ہے، تو پھر تو اعتراض ہی نہیں رہتا۔

۲۔ امام عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے كان مروان لا يتهم في الحديث، کہ مروان حدیث روایت کرنے میں متہم نہیں ہے پھر مروان سے سیدنا سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ نے روایت لی ہے، لہذا روایت میں اس پر اعتراض درست نہیں ہے۔

پہلا باب

اصول تخریج

اصول تخریج تخریج کا لغوی معنی:

لفظِ '' تخریج ''یہ '' خَرَّجَ، يُخَرِّجُ'' سے مصدر ہے، جس کا معنی نکالنا ظاہر کرنا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

حدیث کے اصل ماخذ کا بیان اور اس کے مختلف طرق پر بحث کرتے ہوئے اس پر صحت وضعف کے اعتبار سے حکم لگانا۔ یاد رہے کسی حدیث کا صرف اصل ماخذ بیان کر دینا یہ صرف حدیث کی نسبت بتانا ہے، یہ تخریج نہیں کہلائے گا۔ گویا تعریف میں تخریج کے تین ارکان ہیں:

ا: حدیث کا اصل ماخذ تلاش کرنا۔

۲: سندوں کو جمع کرکے ان کی اور متن حدیث کی تحقیق کرنا۔

۳: حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے کا حکم لگانا۔

علم تخریج کی نسبت تمام علوم کی طرف:

شرعی مسئلے کے حل کے لیے جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے کہ جس حدیث پر مسئلے کی بنیاد رکھنی ہے، وہ ثابت بھی ہے کہ نہیں؟ کسی حدیث کو بیان کرنے کے لیے حدیث کی سند پر اطلاع پانے کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ جب سند سامنے ہوگی، تب رواۃ پر بحث ہوگی۔ ان مراحل سے گزرنے کے بعد ہی کوئی محدث یا محقق مطلوبہ حدیث کی تحقیق تک پہنچ سکتا ہے، جس حدیث کی بھی تحقیق کرنی ہو اس میں یہی انداز اپنایا جائے گا۔ **علم تخریج سے مدد طلب کرنا:** کسی چیز کے رد یا قبول کرنے سے پہلے اس کی جانچ پڑتال کرنا ضروری ہے، یہ تب ہی ممکن ہے جب علم تخریج سے واقفیت ہو گی، ورنہ انسان اصل حقیقت سے ناآشنا ہی رہے گا، بلکہ جو کچھ پڑھے گا، اسے حقیقت خیال کرے گا، حالانکہ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

علم تخریج کا واضع:

اس کو وضع کرنے والا کوئی معین شخص نہیں ہے، اس پر مختلف ادوار گزرے ہیں جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی، کیونکہ صحابہ کرام نے قران وحدیث کو براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا اور صحابہ کرام تمام کے تمام ثقہ اور عادل تھے۔ اس وقت تخریج کا وجود ہی نہیں تھا، جب بعد میں کتبِ احادیث لکھی گئیں، تب حدیث کی اصل کتاب کی طرف نسبت کرنا ضروری ہو گیا اور سند کے وجود سے تخریج کا وجود بھی شروع ہوا۔

حکم:

علمِ تخریج کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اور ہر اس شخص پر فرض عین ہے جس کا تعلق حدیث، تفسیر، فقہ، اصول یا کسی بھی فن سے ہے، کیونکہ ہر کوئی حدیث کا محتاج ہے خواہ وہ تھوڑا محتاج ہو یا زیادہ، مثلاً ایک شخص نحوی ہے، اس کو بھی حدیث کی ضرورت پڑتی ہے، اسی طرح فقیہ اور مفسر بھی حدیث کا محتاج ہوتا ہے چونکہ حدیث ایسا فن ہے جس کی طرف ہر اہل علم محتاج ہوتا ہے، لہذا ایک نحوی کی بھی فن تخریج اور جرح وتعدیل میں وسعتِ نظر ہونی چاہیے، ورنہ وہ نحو میں جو مثالیں پیش کرے گا تو ان میں ضعیف اور موضوع روایات کو بھی ترویج دے گا۔ افسوس کہ آج کل علمِ حدیث کی طرف بہت کم توجہ دی جارہی ہے۔

تخریج کی اقسام

تخریج کی تین قسمیں ہیں:

۱: مفصل تخریج

حدیث کی تمام اسانید، تمام حوالہ جات، تمام توابع اور تمام شواہد اور تمام رواۃ پر سیر حاصل بحث کرنا اور صحت وضعف کے اعتبار سے حکم لگانا، جیسے امام البانی کی کتب" الصحيحة، الضعيفة، اروا ء الغليل" اور شیخ ابو اسحاق الحوینی کی کتب، مثلاً" بذل الاحسان" وغیرہ ہیں، اس سے مکمل تشفی ہوتی ہے۔

۲: مختصر تخریج

حدیث کی مختصر تخریج کرنا، اس میں چند حوالے لکھے جاتے ہیں اور سند پر مختصر حکم لکھا جاتا ہے یہ طریقہ بھی درست ہے لیکن اس میں نقص کافی ہیں، لیکن بعض دفعہ کافی مجبوریاں سامنے ہوتی ہیں جن کی بنا پر یہی طریقہ اختیار کرنا پڑتا ہے۔ یہ طریقہ اس وقت بہتر ہے جب مفصل تخریج کی طرف رہنمائی کردی جائے مثلاً خرجه أبوداود، وهوحديث صحيح، وانظرتفصيله فى الارواء۔

۳: قاصر تخریج

اس سے مراد تخریج کاوہ طریقہ ہے جس میں اس حدیث پر چند کتب کا حوالہ لکھ دیا جاتا ہے،مثلا: أخرجه أبوداود والترمذی۔

اگرچہ فائدے سے یہ طریقہ بھی خالی نہیں لیکن صحت وضعف کے فرق کی وضاحت نہ ہونے کی وجہ سے اصطلاحی اعتبار سے اس کو تخریج کہنا درست نہیں۔

بعض تجارت پیشہ مکتبوں نے آج کل اسی طریقے کو اختیار کیا ہوا ہے۔ایسے لوگوں کو

صحت وضعف کا اہتمام ماہر فن جرح وتعدیل سے کروانا چاہیے، تاکہ حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اہمیت سالم رہے، ورنہ وہ لوگ تخریج کرتے نظر آتے ہیں جن کو علوم حدیث کی ابجد کا بھی علم نہیں، بس اللہ تعالی تمام ناشرین کو خدمتِ حدیث اور محبتِ حدیث کے جزبے سے سرشار فرمائے۔ آمین

تخریج کے فوائد:

تخریج کے فوائد بہت زیادہ ہیں، کیونکہ سنت کے خزانے کی طرف رسائی اس کے بغیر ممکن نہیں۔خوش قسمت ہے وہ اہل علم جو تخریج وتحقیق کو اپنا مشغلہ بنالیتا ہے، اس سے وہ دیگر ہم عصر اہل علم پر فائق ہوتا ہے اور ایک عرصے کے بعد وہ محدثین کے زمرے میں شمار کیا جانے لگتا ہے۔ تخریج اہم ترین فن ہے، افسوس کہ اس فن میں اہل علم نہ ہونے کے برابر ہیں، اس فن پر توجہ کی ضرورت ہے، تاکہ ماہر رجالِ تخریج وتحقیق کثرت سے پیدا ہوں۔

عرب علماء میں تو بہت کام ہو رہا ہے، لیکن برصغیر پاک وہند میں اس فن میں کام نہ ہونے کے برابر ہے، اللہ تعالیٰ اس کمی کو پورا فرمائے۔ آمین۔

تخریج کے مشہور فوائد درج ذیل ہیں:

۱۔ حدیث کے اصل مصدر کی معرفت۔

۲۔ ایک حدیث کی کئی ایک سندوں کا جمع ہونا۔

۳۔ صحیح اور ضعیف ہونے کے اعتبار سے سند کی حالت کی معرفت۔

۴۔ بعض دفعہ ایک سند میں ضعف ہوتا ہے، لیکن تتبع طرق سے اس کی کوئی صحیح سند مل جاتی ہے۔

۵۔ حدیث پر محدثین کے حکم کی معرفت۔

۶۔ رواۃ میں سے مہمل کی تمیز ہونا، جب ایک سند میں مہمل راوی ہو مثلاً ''عن محمد'' تو دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے۔

۷۔ مبہم کی تعیین، بسااوقات سند میں ایک راوی مبہم ہوتا ہے مثلاً" عن رجل" تو دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے۔

۸۔ مدلس راوی کے سماع کی صراحت کا ملنا۔

۹۔ مختلط راوی کے اختلاط کی وضاحت کا ملنا، ایک سند میں مختلط راوی ہے تو کسی دوسری سند میں اس کی وضاحت مل جاتی ہے کہ فلاں راوی نے اس کے اختلاط میں مبتلا ہونے سے پہلے سنا ہے یا بعد میں، اگر اختلاط سے پہلے سنا ہے تو حدیث صحیح اور اگر بعد میں سنا ہے تو ضعیف۔

۱۰۔ حدیث میں نقص اور زیادتی کی وضاحت۔

۱۱: بعض دفعہ جس لفظ کو تلاش کیا جارہا ہے، وہ کئی احادیث میں موجود ہے تو اس حالت میں تمام حوالہ جات کو اصل ماخذوں سے تلاش کیا جائے، تب اس اصل مقصود تک پہنچا جاسکتا ہے۔

۱۲: جو شخص اپنا وقت حدیث کو تلاش کرنے اور اس کی تحقیق و تخریج و تشریح میں گزارتا ہے، وہ لوگوں میں ممتاز ہو جاتا ہے اور مستقبل میں "محدث" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۱۳: مشہور محقق و محدث فضیلۃ الشیخ عبد الرؤف بن عبد الحنان بن حکیم اشرف سندھو حفظہ اللہ لکھتے ہیں:" تخریج کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ کسی حدیث پر غلط حکم لگانے سے بچا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر ابو داود یا دوسری سنن میں ایک حدیث ایسی آجاتی ہے کہ جس کی سند میں کسی راوی کے ضعیف ہونے کا حکم لگا دیا جائے تو یہ درست نہ ہو گا۔ کیونکہ ممکن ہے کہ سنن بیہقی یا مسند احمد وغیرہ میں اس ضعیف یا مدلس راوی کی کسی دوسرے راوی نے متابعت کی ہو، یا اس مدلس نے وہاں تحدیث یا سماع کی صراحت کی ہو۔ یا ان کتب میں یہ حدیث دوسرے طرق سے مروی ہو، یا اس کے شواہد ہوں جن کی بنا پر یہ حدیث صحیح، حسن یا قوی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے بعض محققین نے کہا ہے کہ جب کوئی ایسی حدیث سامنے آئے جس کی سند ضعیف ہو تو اس حدیث کے بارے میں یہ کہنا درست نہیں ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، بلکہ کہا جائے کہ یہ حدیث اس سند سے ضعیف ہے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ یہ حدیث دوسری سند سے مروی ہو یا اس کے شواہد ہوں۔ مگر جب تتبع اور بحث کے بعد ظن غالب یہ ہو کہ اس حدیث کی دوسری سند، یا شواہد نہیں ہیں تو پھر اس حدیث پر مطلقاً ضعف کا حکم لگایا جاسکتا ہے[1]

اگر ابو داود یا دوسری سنن میں ایک حدیث صحیح سند سے بھی مروی ہو تو اس صورت میں بھی اس کی تخریج خالی از فائدہ نہ ہو گی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ دوسری کتب میں اس حدیث کی دوسری سندیں یا اس کے شواہد ہوں اور اس صورت میں فائدہ یہ ہو گا کہ اس حدیث کی صحت پر مزید اطمینان ہو جائے گا۔[2]

کتبِ تخریج کا ذکر:

کتبِ تخریج بہت زیادہ ہیں، جن سے طالب علم یا محقق مستغنی نہیں ہو سکتا۔ جب بھی کسی حدیث کی تخریج کرنی ہے تو کتبِ تخریج کی طرف مراجعت از حد ضروری ہے، تاکہ اپنے سے پہلے علماء کی محنت اور تخریج و تحقیق سے بھرپور استفادہ اٹھایا جائے، ان میں سے بعض کتابوں کے نام درج ذیل ہیں:

نصب الرایۃ للزیلعی

البدرا لمنیر لابن الملقن

[1]البا عث الحثیث لاحمد شا کر ص:۹۰). [2] (القو ل المقبو ل ص:۲۰-۲۱)

المغنی عن حمل الاسفار للعراقی

الدرایۃ لابن حجر

التلخیص الحبیر لابن حجر

مناہل الصفا فی تخریج احادیث الشفاء للسیوطی

ارواء الغلیل للالبانی

سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ للألبانیاور سلسلۃ الأحادیث الضعیفۃ للألبانی

شیخ البانی رحمہ اللہ کی تمام کتب کا موضوع تحقیق و تخریج ہے۔ جو طالب علم اپنے اوپر شیخ کی کتب کا مطالعہ لازم کرلے، وہ تخریج و تحقیق میں پختہ ہو جائے گا۔اللھم أدخلہ الجنۃ الفردوس۔

تخریج کے طریقے

مندرجہ ذیل طریقوں سے تخریج کی جاسکتی ہے: **پہلا طریقہ:** حدیث کے کسی لفظ سے تخریج کرنا۔ اس میں متنِ حدیث کے کسی ایک لفظ کا یاد ہونا ضروری ہے۔ اس طریقے سے تخریج کرنے کے لیے مندرجہ ذیل کتب سے حدیث تلاش کی جائے گی:

(۱) المعجهم المفهرس لألفا ظ الحد یث النبوی

اس کتاب میں حدیث کی ۹ مشہور کتب کے الفاظ کی فہارس بنائی گی ہیں، موطا امام مالک، مسند احمد، صحیح البخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن نسائی، سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ اور سنن الدارمی۔

اگر کسی حدیث کا وجود ان نو کتب میں ہے اور اس کا کوئی لفظ یاد ہے تو مذکورہ کتاب "المعجم المفهرس۔ کی مدد سے تخریج ممکن ہے۔(۲) اگر سنن الدارقطنی میں موجود کسی حدیث کا کوئی لفظ یاد ہے تو اس کو "المعجم المفهرس لأ لفاظ سنن الدارقطنی لیوسف المر عشلی" میں تلاش کیا جائے، تب سنن الدارقطنی کی حدیث تک پہنچنا ممکن ہے۔ وہ فوائد جن کا تعلق کسی لفظ کے ساتھ تخریج کرنے سے ہے درج ذیل ہیں:

پہلا فائدہ:

اس طریقہ تخریج کے لیے مکتبہ شاملہ، مکتبہ ذہبیہ وغیرہ بھی بہت اہم ہیں، ان سے بھی مدد لی جاسکتی ہے، لیکن اس میں یہ احتیاط کرنا ضروری ہے کہ مطلوبہ حدیث ملنے کے بعد اصل کتاب سے مراجعت ضرور کر لی جائے، صرف مکتبہ شاملہ وغیرہ پر انحصار کر کے حوالے لکھ دینا درست نہیں ہے۔

دوسرا فائدہ:

مذکورہ کتب میں الفاظ کی ترتیب حروفِ تہجی کے اعتبار سے ہوتی ہے۔ جس طرح لغت سے کوئی لفظ تلاش کیا جاتا ہے، بالکل اسی طریقے سے حدیث بھی تلاش کی جاتی ہے۔

تیسرا فائدہ:

''المعجم المفہرس لألفاظ الحدیث النبوی'' میں مسند احمد کی حدیث کے ساتھ جلد اور صفحہ نمبر لکھا جاتا ہے اور نسخہ میمنیہ کا حوالہ ہوتا ہے۔ باقی کتبِ حدیث میں پائی جانے والی حدیث کے ساتھ کتاب کا رمز مثلاً خ، صحیح بخاری کے لئے، پھر اس میں کتاب کا نام مثلاً الطہارۃ، پھر باب کا نمبر مثلاً ۱۰۔ اکٹھا حوالہ اس طرح ہوگا: خ، الطھارۃ: ۱۰۔ باقی کتب بھی اسی طریقے پر قیاس کر لیں۔

دوسرا طریقہ: موضوعی اعتبار سے تخریج کرنا:

حدیث کے موضوع کے اعتبار سے حدیث کی تخریج کرنا۔ جس حدیث کی تخریج کرنی ہے، اس کے موضوع کا علم ہو، مثلا: فلاں حدیث وضو کے متعلق ہے تو اس حدیث کو وضو کے متعلق احادیث میں تلاش کیا جائے گا۔ اب وضو کے متعلق حدیث کو کتاب الجہاد میں تو تلاش کرنا درست نہیں، بلکہ کتاب الطھارۃ ہی میں تلاش کرنا ہوگی، اس طریقے سے تلاش کرنے کے لئے فقہی ترتیب پر لکھی گئی کتب میں حدیث تلاش کرنا ہوگی، اس ایک مثال پر باقی کو قیاس کر لیں۔ اگر کسی حدیث کا تعلق قرآن مجید کی کسی آیت کی تفسیر سے ہے تو اس حدیث کو کتب تفاسیر میں تلاش کرنا ہوگا، مثلاً تفسیر ابن جریر، تفسیر ابن ابی حاتم، تفسیر الثوری، تفسیر عبد الرزاق، تفسیر مجاہد، تفسیر ابن کثیر وغیرہم۔ اگر کسی حدیث کا تعلق کسی آیت کے سبب نزول سے ہے تو اس حدیث کو سببِ نزول پر لکھی گئی مستند کتب میں تلاش کیا جائے گا، مثلاً أسبا ب النزول للو احدی، العجا ب فی أسبا ب النزول لا بن حجر۔ وغیرہ

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ موضوعی اعتبار سے کس طرح حدیث کی تخریج کرنی ہے۔ اگر کسی حدیث کا تعلق غریب الحدیث سے ہے تو اس کی تخریج کتب غریب الحدیث سے ہی کی جائے گی۔ کتب غریب الحدیث درج ذیل ہیں، غریب الحدیث لأبی عبید القاسم بن سلام، غریب الحدیث للحربی، غریب الحدیث لابن قتیبہ، اور ان کی دوسری کتاب غلط أبی عبید،، غریب الحدیث للخطابی، الغریبین لابی عبید الھروی، المجموع المغیث فی غریب الحدیث لأبی موسی المدینی، النھایۃ فی غریب الحدیث لابن الأثیر وغیرہ۔ **تیسرا طریقہ:** صحابی کے واسطے سے تخریج کرنا، اس طریقے میں مطلوبہ حدیث کے سب سے اوپر والے راوی یعنی صحابی کا علم ہو مرفوع ہونے کی صورت میں یا تابعی کے نام کا علم ہو مرسل ہونے کی صورت میں۔

محدثین نے اس طرز پر بھی کتب تصنیف کی ہیں، مثلا جس صحابی کی روایت تلاش کرنی ہے، اس صحابی کا نام تلاش کر کے اس میں وہ مطلوبہ حدیث تلاش کی جائے گی۔ یہ طریقہ اس وقت ممکن ہے جب صحابی کے نام کا علم ہو۔ اس طریقے پر بے شمار کتب لکھی گئی ہیں، مثلا کتب الأطراف، أطراف الصحيحين لأبى مسعود الدمشقى،أطراف الكتب الستة لأبى الفضل محمد بن طاہر بن أحمد المقدسی، الاشراف على الأطراف لابن عساکر، تحفة الأشراف بمعرفة الأطراف لأبى الحجاج المزی، اتحاف المهرة بأطراف العشرة لابن حجر العسقلانی۔

اس طریقے کے فوائد:

ا: حدیث کے طرق ایک ہی جگہ جمع ملتے ہیں، اس سے حدیث کے متواتر، مشہور، عزیز یا غریب ہونے کا علم ہو جاتا ہے۔ پہچانا جاتا ہے۔ اگر ایک حدیث کو کوئی کتب اطراف میں دیکھا جائے تو اس طرح بہت زیادہ طرق پر اطلاع ممکن ہوتی ہے۔

۲: سندوں کا آپس میں موازنہ کرنا آسان ہو جاتا ہے کہ کون کس کی متابعت کر رہا ہے یا فلاں کے کتنے تلامذہ یا شیوخ ہیں۔

۳: حدیث کو کس کس نے نکالا ہے اور وہ کتبِ حدیث میں کہاں کہاں پائی جاتی ہے؟

چوتھا طریقہ:

شروع ہو رہی ہے، ان کے ذریعے تخریج کرنا، مثلا '' إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ ''اسحدیث کو تلاش کرنے کے لئے '' إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ '' کو مطلوبہ کتب سے تلاش کرنا ہو گا۔ یہ طریقہ اختیار کرنے کے لیے حدیث کے ابتدائی حصے پر مطلع ہونا ضروری ہے، پھر ابتدائی حصے کے پہلے حرف کو مطلوبہ کتب میں تلاش کرنا ہو گا جب وہ مل جائے گا تب اگلے حرف کو پھر اس کے ساتھ والے کو، اس طرح اصل مقصود تک انسا ن پہنچ جاتا ہے۔

فائدہ:

اس طریقے سے انسان بڑی جلدی اصل مقصود تک پہنچ جاتا ہے لیکن اس میں یہ نقص بھی ہے کہ شروع حصے میں معمولی سی تبدیلی واقع ہو جائے تب انسان اصل مقصود تک پہنچے میں ناکام رہتا ہے۔

اس طریقے پر لکھی گئی کتب:

الجا مع الصغير من حديث البشير النذير للسيوطى، الفتح الكبير فى ضم الزيا د الى الجا مع الصغير للسيوطى، الجا مع الأ زهرمن حد يث النبى الأ نور للمنا وى، تمام کتبِ فہارس مثلاً فہرس مسند احمد، فہرس صحیح البخاری وغیرہ

پانچواں طریقہ:

حدیث میں موجود کسی صفت کی بناپر تخریج کرنا،یعنی کسی حدیث کی تخریج کرنی ہے لیکن پہلے چاروں طریقوں سے اس پر اطلاع ممکن نہیں لیکن اس مطلوب حدیث میں کوئی ایسی صفت ہے جو آپ کو یاد ہے مثلاً وہ حدیث قدسی ہے یا متواتر ہے یا مشہور ہے یا مرسل تو ایسی صورت میں اس صفت پر لکھی گئی کتب میں وہ حدیث تلاش کی جائے گی۔

فائدہ:

اس طریقے سے اگر صفت یاد ہے تو بغیر مشقت کے مطلوبہ حدیث تک پہنچا جاسکتا ہے۔اس طریقہ پر لکھی گئی کتب:

(۱)المراسیل لأبی داود(۲)الأزھار المتناثرۃ فی الاخبار المتواترۃ للسیوطی(۳)المقاصد الحسنۃ للسخاوی

(۴)الاتحافات السنیۃ فی الأحادیث القدسیۃ للمدنی(۵)تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الأخبار الشنیعۃ الموضوعۃ لابن عراق مکتبہ شاملہ اور انٹرنیٹ سے تحقیق کرنا یہ جدید آلات ہیں جن سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے لیکن اصل سے مراجعت ضرور کر لینی چاہئے۔

افسوس کہ بعض لوگ اس کو مطعون گردانتے ہیں، حالانکہ یہ ان کی غلطی ہے، کیونکہ پہلے کتب قلمی ہوا، کرتی تھیں اہل علم انھیں سے فائدہ اٹھاتے تھے، پھر کتب پرنٹ ہونے لگیں، اہل علم پرنٹ کی ہوئی کتب سے فائدہ اٹھانے لگے، بس اسی طرح اب یہ کتب مکتبہ شاملہ میں یونی کوڈ یا پی ڈی ایف وغیرہ کی صورت میں آرہی ہیں، ان سے بھی فائدہ اٹھانا ویسے ہی ہے جیسے پرنٹڈ کتب سے فائدہ اٹھانا ہے و الحمدللہ۔

اللہ تعالی ان لوگوں کو جزائے خیر عطا فرمائے، جو اپنا سرمایہ دینی علوم کو جدید سے جدید انداز میں نشر کرنے پر صرف کر رہے ہیں اور پوری دنیا کو گھر بیٹھے فری دینی کتب مہیا کر رہے ہیں، اور جن آلات کو آل شیطان یہود وہنود گمراہیوں کے لئے استعمال کر رہے ہیں، اہل علم انھیں آلات کو دین کی سربلندی لئے کیوں نہ استعمال کریں؟ یاد رہے پرنٹ کتب پر کوئی بھی انگلی نہیں اٹھاتا، اسی طرح پی ڈی ایف اور یونیکوڈ کتب پر بھی انگلی نہیں اٹھانی چاہئے۔ جس طرح پرنٹڈ کتب سے فائدہ اٹھانے والے بہت کم ہیں، اسی طرح شاملہ اور نیٹ سے فائدہ اٹھانے والے بھی نہایت کم لوگ ہیں، دونوں طرز کی کتب سے فائدہ اٹھانے میں محنت، جستجو، دلچسپی اور لگن چاہئے، ورنہ اکثر لوگ نہ پرنٹڈ کتب سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور نہ شاملہ اور نیٹ۔فافھم

تخریج لکھنے کے اصول:

تخریج مختلف طریقوں سے لکھی جاتی ہے اور اس کو لکھتے وقت درج ذیل قواعد کو سامنے رکھنا نہایت ضروری ہے: ا:سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جس کتاب سے حدیث ملی ہے، پہلے کتاب کا نام لکھا جائے، مثلا صحیح البخاری، پھر لکھا جائے کہ صحیح بخاری کی کس کتاب میں حدیث ہے، مثلا کتاب الایمان، پھر لکھا جائے کہ کتاب الایمان کے کس باب میں حدیث ہے، مثلا باب فلان۔۔پھر کتاب کا جزو نمبر اور صفحہ لکھا جائے، مثلا ج۱ص ۲۲، اور پھر اس حدیث کا نمبر لکھا جائے اگر میسر ہو اور کتاب کا طبع لکھا جائے مثلاط: دارالسلام الریاض۔ تخریج میں یہ سب سے اہم طریقہ ہے، اس سے قاری بڑی جلدی اصل کتاب میں موجود حدیث تک پہنچ سکتا ہے۔ اس طریقے میں تخریج کو اکٹھا اس طرح لکھا جائے گا: صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب فلان، ج۱ص۲۲،ح:۳۳،ط: دارالسلام الریاض)

۲: مختصر اندازِ تخریج یہ ہے کہ حدیث جس کتاب میں ہے، اس کا نام لکھ کر حدیث کا نمبر یا صفحہ اور جلد لکھ دی جائے، مثلاً: [1]

۳: تخریج لکھتے وقت کتب حدیث کے مراتب کا لحاظ رکھنا ضروری ہے، مثلاً کتبِ ستہ کے مراتب یہ ہیں: صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داود، سنن النسائی، سنن الترمذی، سنن ابن ماجہ۔ تخریج لکھتے وقت کتاب کے مرتبے کے مطابق لکھا جائے گا۔

۴: اگر کوئی حدیث مسند احمد اور کتبِ ستہ میں ہے تو اصول کی پیروی کرتے ہوئے پہلے مسند احمد کا نام لکھا جائے۔ البتہ کتبِ ستہ کے تداول اور شہرت کے اعتبار سے کتب ستہ کے بعد بھی مسند کا حوالہ لکھا جا سکتا ہے۔

۵: اگر ایک حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے تو لکھتے وقت دونوں کا حوالہ دینا ضروری ہے، کیونکہ جو حدیث دونوں میں ہے، وہ صحیح حدیث کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہے، جس کو متفق علیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بعض مخرجین اس اہم اصول سے ناواقف ہیں اور متفق علیہ حدیث پر صرف بخاری یا صرف مسلم کا نام لکھتے ہیں، حالانکہ یہ فحش غلطی ہے۔ مثلاً ''عذاب القبر حق'' پر صحیح بخاری لکھنا غلط ہے، کیونکہ یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں میں ہے، اس پر حوالہ متفق علیہ لکھنا چاہئے۔

۶: تخریج کرتے وقت سب سے پہلے حدیث صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں دیکھنی چاہئے، اگر حدیث ان دونوں کتب یا کسی ایک میں ہے تو ہمیں یقین حاصل ہو گیا کہ یہ حدیث صحیح ہے، پھر تفصیلی تخریج کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ۷: صحیح بخاری یا صحیح مسلم کی حدیث کی تخریج کے وقت ''اسناده صحیح'' یا'' حدیث

[1]صحیح البخاری ح:۳۳.

صحیح'' لکھنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس حدیث کا صحیح بخاری یا صحیح مسلم میں ہونا ہی اس کے صحیح ہونے کو مستلزم ہے۔ لیکن اگر کوئی صحتِ حدیث کے درجے کی تعیین کی خاطر لکھ دیتا ہے تو اس میں بھی کوئی قباحت نہیں جس طرح امام ناصر الدین نے بعض کتب میں اور استاد محترم شیخ ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے مسند سراج کی تحقیق میں یہ انداز اپنایا ہے۔

۸: صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ جتنی بھی کتب کے مصنفین نے اپنی کتب میں صحیح احادیث کا اہتمام کیا ہے، کسی حدیث کا ان کتب میں ہونا صحیح ہونے کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ ان کتب میں بے شمار ضعیف اور غیر ثابت روایات موجود ہیں، نیز ان کتب کی صحت پر اتفاق بھی نہیں ہے۔ وہ کتب درج ذیل ہیں، صحیح ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، المنتقی لابن الجارود، المختارة لضیاء المقدسی، مستدرک حاکم وغیرہ۔ ان میں اور دیگر کتبِ حدیث میں موجود حدیث کو لکھنے سے پہلے تحقیق کریں گے جو محدثین کے قواعد کے مطابق صحیح ہو گی، اسے صحیح تسلیم کیا جائے۔ البتہ یہ بات درست ہے کہ مذکورہ بالا کتب میں موجود احادیث ان کے مؤلفین کے نزدیک صحیح ہیں اور تخریج میں ان کی تصحیح کی نسبت ان کے مؤلفین کی طرف کرنا درست ہے۔

۹: حدیث کی تحقیق و تخریج کرتے وقت اگر کوئی روایت ضعیف ثابت ہو جائے تو سببِ ضعف بھی لکھنا چاہیے۔ بعض تاجر قسم کے محقق یہ تو لکھتے ہیں ''ضعیف'' لیکن وجہ ضعف نہیں لکھتے اور بعض نااہل محققین مختلف علماء کی آراء لکھ دیتے ہیں اور راجح تحقیق کی طرف اشارہ بھی نہیں کرتے

مثلاً اس حدیث کو حازم علی قاضی نے صحیح کہا ہے اور دکتور بسام نے ضعیف کہا ہے، جبکہ شیخ البانی نے حسن کہا ہے!! یہ انداز انتہائی غلط ہے اس سے قاری کا ذہن منتشر ہو جاتا ہے کہ اب کیا کروں؟ کس کی بات مانوں؟

۱۰: ہمارے ہاں عموماً ''مشکاۃ'' ''بلوغ المرام''اور'' ترغیب وترھیب'' وغیرہ کے حوالے بھی دیے جاتے ہیں، بلکہ اس سے بڑھ کر کمزوری یہ ہے کہ مثلاً: حدیث تو'' المنتقی '' لابی البرکات ابن تیمیہ میں ہے۔ مگر حوالہ'' نیل الأوطار ''کا دیا جاتا ہے۔

۱۱: تخریج کا معنیٰ یہ ہے کہ حدیث کو کسی ایسی کتاب کی طرف منسوب کیا جائے جس کے مؤلف نے اس حدیث کو اپنی سند سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہو اور ساتھ ہی حدیث کا درجہ بھی بیان کیا جائے، یعنی کہنا کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف وغیرہ وغیرہ یہ صحیح ہے کہ حدیث پر حکم لگانا کوئی اتنا آسان کام نہیں ہے مگر محدثینِ عظام کا لگایا ہوا حکم نقل کرنا تو کوئی مشکل نہیں۔[1]

دورانِ تخریج، تخریج شدہ کتب سے استفادہ کرنا:

جب آپ تخریج کر رہے ہیں تو آپ کے ہم عصر یا ماضی کے کسی اہلِ علم نے جو کتبِ

حدیث کی تخریج کی ہے، ان کی تخریج سے فوائد حاصل کرنا بہت ضروری ہے لیکن چند باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے جو درج ذیل ہیں:

۱: تخریج شدہ کتاب پر کلی اعتماد نہیں کرنا چاہئے، بلکہ جس کا حوالہ دیا گیا ہے اس کو خود ضرور دیکھنا چاہئے، مثلا دورانِ تخریج محدث ناصر الدین رحمہ اللہؒ کی کتاب الصحیحۃ سے تخریج حدیث کے متعلق کچھ اہم حوالہ جات ملیں، تو ان حوالوں کو پہلے اصل کتب سے دیکھ لیا جائے، پھر لکھا جائے۔ اگر آپ نے حوالے خود اصل مصادر ومراجع سے دیکھے ہیں اور وہ الصحیحۃ میں جمع شدہ تھے تو آپ الصحیحۃ کا حوالہ نہ بھی لکھیں تو کوئی حرج نہیں، بلکہ اصل کتابوں کے حوالہ جات ہی کافی ہیں، لیکن اگر آپ خیال کرتے ہیں کہ الصحیحۃ میں کچھ نادر اور اہم فوائد ہیں تو اصل کتب کا حوالہ دے کر آخر میں لکھ دیں مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (الصحیحۃ) تاکہ آپ کی کتاب سے قاری'' الصحیحۃ'' کے فوائد تک بھی رسائی حاصل کر سکے۔ ۲: اگر آپ کسی وجہ سے اصل کتابوں سے حوالے نہیں دیکھ سکے، تب تخریج میں الصحیحہ سے حوالے لکھ کر آخر میں لکھ دیں، کذا فی الصحیحۃ یا ماخوذ من الصحیحۃ یا بحوالہ الصحیحۃ، تاکہ امانتِ علمی قائم رہے۔ یہاں ایک بات بطور تنبیہ عرض ہے کہ ہمارے ایک فاضل دوست نے تفسیر ابن کثیر کی تخریج کی تھی، انھوں نے کئی جگہوں پر بطور فائدہ شیخ ناصر الدین رحمہ اللہؒ کی اہم کتب کے حوالے بھی دیئے تھے، تاکہ قاری تفصیل وہاں دیکھ سکے، تو تفسیر ابن کثیر پر ایک دوسرے اہل علم کو نظر ثانی کے لئے کہا گیا تو اس اہل علم نے شیخ البانی رحمہ اللہؒ کی تمام کتابوں کے ناموں پر قلم پھیر دیا۔ جب ابن کثیر شایع ہوئی تو کئی جگہوں پر ناشر نے شیخ ناصر الدین رحمہ اللہ کے نام قائم رکھے، تو نظر ثانی کرنے والے اہل علم نے کتاب دیکھی تو آگ بگولہ ہو گئے کہ شیخ البانی کی کتب کے حوالے کیوں رہنے دیئے؟؟ یہ انداز غلط ہے اور امت کو کسی تعصب کی وجہ سے علمی فوائد سے محروم کرنا ہے، شیخ ناصر الدین رحمہ اللہؒ کی کتب کا کیا مقام ہے، پوری دنیا جانتی ہے، اب ان سے استفادہ سے کون روک سکتا ہے۔ فرحمہ اللہ

۳: اصل کتاب دیکھنے کے بہت زیادہ فوائد ہیں، جن میں اہم درج ذیل ہیں:

الف: یقین حاصل ہوتا ہے کہ یہ حدیث واقعتاً اسی کتاب میں ہے ورنہ شک ہی رہتا ہے۔

ب: محقق کی غلطی واضح ہو جاتی ہے، مثلاً ایک حدیث مسلم کی ہے اور اس نے سنن ابی داود کا حوالہ دیا ہے۔

ج: محقق کی تحقیق میں وہ حدیث سیدنا ابوھریرہ رضی اللّٰہ عنہ سے مروی ہے حالانکہ اصل کتب دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حدیث سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

د: محقق کی تحقیق میں روایت یا راوی ضعیف ہے لیکن اصل کتب کی طرف مراجعت کرنے سے معلوم ہوا کہ وہ تو صحیح حدیث ہے یا راوی ثقہ ہے۔ یا مخرج سے راوی کی تعیین میں غلطی ہوئی ہے۔

ر: اصل کتاب دیکھنے سے حدیث پر محدث کا حکم بھی مل جاتا ہے، اس طرح بعض دفعہ اسنادی بحث یا کوئی قیمتی فائدہ خواہ فقہ کے متعلق ہو مل جاتا ہے تبویب وغیرہ سے جو پہلے محقق نے ذکر نہیں کیا ہوتا۔

ش: پہلے محقق کی نظر میں علت حدیث ایک تھی، جب اصل کتاب دیکھی تو علتیں اور بھی مل گئیں۔

ص: پہلے محقق کی نظر حدیث میں موجود ضعف کی طرف نہیں گئی، جو بعد والے پر واضح ہو گئی۔

ط: ایک حدیث کو اصل کتاب سے تلاش کرتے ہوئے بے شمار نئے فوائد پر اطلاع ہو جاتی ہے۔

اصولِ تخریج وتحقیق پر کتب:

اس فن میں جو کتب لکھی گئی ہیں ان میں سے بعض حسب ذیل ہیں:

(۱) المو جز فی المرا جع۔۔۔ للد کتو ر محمود محمد

(۲) تحقیق المخطو طا ت بین النظر یۃ والتطبیق، للدکتو ر فھمی سعد والدکتو ر طلا ل مجذوب۔

(۳) تحقیق نصوص التراث فی القدیم والحدیث، للدکتو ر نو ر الد ین

(۴) منھج تحقیق المخطو طا ت للطباع

(۵) المنھا ج فی تا لیف البحو ث وتحقیق المخطو طا ت

(۶) ضبط النص والتعلیق علیہ للدکتو ر بشا ر عوا د

(۷) قوا عد تحقیق المخطو طا ت للد کتو ر صلا ح الدین المنجد

(۸) تحقيق النصو ص و نشر ها للد كتو ر عبدالسلام محمد ها رن

(۹) كيف تحقق مخطو طا ؟ للمبتد ئين

(۱۰) طر ق تخر يج حد يث رسو ل ا لله صلى الله عليه وسلم

اصول تحقیق

رواۃ پر جرح وتعدیل اور متاخرین ومتقدمین محدثین کے درمیان فرق

جب بھی کسی راوی کی تحقیق کرنی ہے تو ائمہ جرح وتعدیل کی کتب سے خوب استفادہ کرنا ہے، خواہ وہ کتب متقدمین کی ہوں یا متاخرین کی۔ بعض اہل علم اس موقع پر متاخرین کو کوئی اہمیت نہیں دیتے جو سراسر غلط ہے۔ اس بات کو تین مثالوں سے سمجھانے کی کوشش کریں گے ان شاء اللہ۔

مثال نمبر ۱: محمد بن ابی احمد، مولی زید بن ثابت کو متقدمین میں سے صرف امام ابن حبان رحمہ اللہؒ نے ثقہ قرار دیا ہے جب کہ متاخرین میں سے حافظ ضیاء مقدسی(المختارة:۳۸۱،۳۸۰،۳۷۹،۳۷۷)حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد:ج۲ ص۱۴)حافظ ابن کثیر (تفسیر ابن کثیر:ج۱ص۲۲۶)حافظ ابن حجر (فتح الباری:ج۷ص۳۳۲)حافظ سیوطی (لباب النقول فی اسباب النزول ص:۶۲)اور علامہ احمد شاکر مصری (تفسیر الطبری ص۲۱۷ فی الحاشیة) نے بھی اس کی توثیق کی ہے۔ اس مثال سے درج ذیل باتیں ثابت ہوئیں: ۱: یہ راوی ثقہ ہے کیونکہ اس کو امام ابن حبان کے علاوہ کئی محدثین نے ثقہ کہا ہے، گویا ابن حبان اکیلے نہ رہے۔ ۲: یہ جملہ کہہ کر کہ ابن حبان کے علاوہ باقی تمام متاخرین ہیں، لہذا متاخرین کی بات معتبر نہیں، متاخرین کی بات کو رد کر دینا غلط منہج ہے۔

۳: اس راوی کی ان محدثین کے توثیق کرنے کے باوجود اگر کوئی کہے: محمد بن ابی احمد ‘‘ مجهول وثقه ابن حبان وحده’’ تو اس کو تسلیم نہیں کیا جائے گا۔

مثال نمبر ۲: ایک راوی ہے ولید بن زوران، اس کو متقدمین میں سے صرف امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے، ان کے علاوہ امام بیہقی اور ابن حجر نے بھی اس کو ثقہ کہا ہے تو اگر کوئی کہے کہ متقدمین میں سے صرف ابن حبان اکیلے نے ہی ثقہ کہا اس لئے یہ راوی مجہول ہی ہے۔ تو اس کی بات غلط قرار دی جائے گی اور اس میں بھی صحیح بات یہ ہے کہ اس راوی کو ابن حبان کے ساتھ بیہقی اور ابن حجر نے بھی ثقہ کہا ہے، جو دونوں اگرچہ متاخرین ہیں لیکن انھیں بھی رواۃ پر حکم لگانے کا ملکہ تامہ موجود تھا، بلکہ متاخرین کو کچھ نہ سمجھنا اور یہ کہہ کر ان کی خدمات جلیلہ پر پانی پھیر دینا کہ وہ متاخرین ہیں، انتہائی خطرناک معاملہ اور منہج ہے۔ متقدمین ہوں یا متاخرین، ان سے دلیل کی بنا پر اختلاف ہو سکتا ہے۔ مسئلہ اصولِ حدیث (مثلاً حسن لغیرہ) ہو یا رواۃ کی توثیق و تجریح دونوں جگہ پر یہ فرق درست نہیں مثلاً حسن لغیرہ کو امام بیہقی، ابن حجر وغیرہ حجت تسلیم کرتے ہیں تو اس کو حجت ہی تسلیم کیا جائے گا (یاد رہے کہ یہ بطور مثال بیان کیا ہے ورنہ ان سے پہلے بھی بہت سے محدثین سے حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت ہے، تفصیل آگے بیان کی جائے گی۔)

مثال نمبر ۳: ام محمد راویہ کو ابن حبان اور ابن عبد البر نے ثقہ کہا ہے، اس راویہ کو ثقہ ہی مانا جائے گا اور اس کی حدیث صحیح ہو گی، اگر کوئی کہے کہ ابن عبد البر متاخر ہیں تو اس کی بات مردود ہو گی کیونکہ متاخرین اور متقدمین کا یہ فرق درست نہیں ہے۔ ہم انھیں تین مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں ورنہ مثالیں تو اور بھی بہت زیادہ ہیں۔

امام الجرح والتعدیل شیخ الاسلام محب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: اور حافظ ذہبی نے بھی اس کے متعلق "وثقہ" کہا ہے، اس لئے صرف ابن حبان کی توثیق نہیں رہی بلکہ حافظ ذہبی

نے بھی اس کی تائید کی ہے، لہذا وہ مجہول الحال نہیں رہے۔"[1]

سند میں سفیان سے مراد؟

سند میں جب سفیان آجائے تو اس سے مراد ثوری ہیں یا ابن عیینہ؟ اس فرق کی تفصیل پیش خدمت ہے۔ حافظ ذہبی فرماتے ہیں: ثوری کے شاگرد کبار اور پرانے ہیں اور ابن عیینہ کے شاگرد صغار ہیں، انھوں نے ثوری کو نہیں پایا اور یہ بات واضح ہے، پس جب قدیم رواۃ نے بیان کیا ہو اور نام میں صرف سفیان بولا جائے تو اس سے مراد ثوری ہوں گے اور وہ وکیع، ابن مہدی، فریابی اور ابونعیم کی مثل ہیں۔ ان راویوں میں سے اگر کوئی ابن عیینہ سے بیان کرے گا تو ان کا مکمل نام (سفیان بن عیینہ) واضح طور پر لے گا، صرف سفیان نہیں کہے گا اور جس راوی کی ثوری سے ملاقات ہی نہیں ہوئی اور اس نے ابن عیینہ کو پایا ہے تو وہاں تنبیہ کی ضرورت ہی نہیں، اس کے لئے رواۃ کے طبقات کی معرفت ہونا ضروری ہے۔[2]

یہ ایک اہم قاعدہ ہے جو اکثر تلامذہ پر مخفی ہے۔

جرح کرنے والا اگر خود ضعیف ہے تو اس کی جرح قبول نہیں کی جائے گی:

ازدی خود ضعیف ہے، اس نے کسی راوی پر جرح کی تو اس پر تعلیق لکھتے ہوئے حافظ ذہبی فرماتے ہیں:" ھذہ مجازفۃ لیت الأزدی عرف ضعف نفسہ۔" یہ ظلم ہے کاش ازدی اپنے ضعف کو پہچانتے۔[3]

[1] فتاوی راشدیہ :ج۱ص۳۰۱). [2] (سیر أعلام النبلاء :ج۷ص۴۶۶). [3] (السیر :ج۱۳ص۳۸۹)

امام ابن حبان فرماتے ہیں:" من المحال ان یجرح العدل بکلام المجروح۔" یہ بات محال ہے کہ عادل راوی پر مجروح کے کلام کے ساتھ جرح کی جائے۔ اسی طرح کچھ اور ضعیف راوی ہیں جو جرح و تعدیل کے لحاظ سے رواۃ پر حکم لگاتے ہیں، ان کی نہ جرح قبول ہے اور نہ ہی توثیق۔ مثلاشاذکونی، ابن خراش، سلمۃ بن القاسم، دولابی وغیرہ۔

اہم اصطلاحات:

اس بحث میں علوم حدیث کی اہم اصطلاحات پر بحث کی جائے گی۔ ان شاء اللہ

ا: صححہ الحاکم ووافقہ الذھبی: اس کا مطلب ہے کہ اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح کہا ہے اور حافظ ذھبی نے ان کی موافقت کی ہے۔

یہ اصطلاح علماء کے ہاں مشہور ہے۔ مستدرک حاکم کی تلخیص میں جس حدیث پر حافظ ذھبی خاموشی اختیار کریں، اس خاموشی کو موافقت باور کیا جاتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے، کیونکہ کئی ضعیف اور موضوع روایات کو امام حاکم نے صحیح کہا اور ان پر ذہبی نے خاموشی اختیار کی ہے، بلکہ تلخیص مستدرک میں بعض روایات کو صراحتا صحیح کہا ہے لیکن اپنی دیگر کتب میں ان پر سخت نکیر کی ہے، یاد رہے صرف اس جگہ حافظ ذہبی کی موافقت تصور ہو گی، جہاں موافقت کا لفظ بولیں یا خود صحیح کہیں یا" قُلتُ کما قال" جیسے الفاظ کہیں، ورنہ محض خاموشی کو موافقت قرار دینا درست نہیں ہے۔

۲: حافظ ذہبی کا کسی راوی کے متعلق کہنا: وُثِّقَ:

حافظ ذہبی اس اصطلاح کا اطلاق عام طور پر اس راوی پر کرتے ہیں جس کو صرف امام ابن حبان نے صحیح کہا ہوتا ہے اور حافظ ذھبی خود ان راویوں کو میزان میں مجھول کہہ دیتے ہیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: [1]

۳: رجالہ رجال الصحیح۔

اس کا معنی یہ ہے کہ اس حدیث کے راوی صحیح (بخاری یا مسلم یا صحیح حدیث) کے راوی ہیں، اگر کسی حدیث کے متعلق کوئی محدث یہ اصطلاح استعمال کرے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث صحیح ہے، اس جملہ سے صرف صحیح حدیث کی ایک شرط کا ثبوت ملتا ہے کہ راوی ثقہ یا صدوق ہیں اور یہ بھی بات تحقیق کی محتاج ہوتی ہے، کیونکہ بخاری اور مسلم کے کچھ راوی ایسے بھی ہیں جن کی روایت بخاری و مسلم میں ہونے کی وجہ سے صحیح ہے لیکن ان کی حدیث اگر کسی دوسری کتاب میں آجائے تو ضعیف ہوتی ہے۔ فافھم صرف راویوں کے ثقہ وصدوق ہونے سے حدیث کا صحیح ہونا ثابت نہیں ہوتا، بلکہ دیگر چیزوں کی بھی تحقیق کرنا ضروری ہے، مثلاسند کا متصل ہونا، اس روایت کا شاذ اور معلول نہ ہونا۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:" صحیح کے راوی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس سے مروی ہر حدیث صحیح ہو۔"[2]

۴: رجالہ ثقات۔

اس کا معنی ہے کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں، اس سے بھی روایت کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا، کیونکہ روایت منقطع ہو سکتی ہے، اس طرح کوئی اور علت بھی ممکن ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:''لا یلزم من کون رجالہ ثقات ان یکون صحیحا۔''راویوں کے ثقہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث صحیح ہے۔[3] [

[1الصحیحۃ للالبانی :ج۵ص۱۷۹). [2] (النکت لابن حجر :ص۲۷۵). [3] (التلخیص الحبیر :ج۳ص۱۹)

۵: أصح شیء فی البا□۔

اس کا مطلب ہے کہ اس باب میں سب سے زیادہ صحیح حدیث یہی ہے۔ اس عبارت سے بھی حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا بلکہ محدثین اس اصطلاح کو ضعیف حدیث کے لئے بھی استعمال کرتے ہیں اور اس وقت وہ مراد لیتے ہیں کہ اس باب میں یہ حدیث سب سے زیادہ راجح یا سب سے کم ضعف والی ہے۔[1] ۶: حدیث صحیح بمقابلہ حدیث صحیح الاسناد، حدیث حسن بمقابلہ حدیث حسن الاسناد زیادہ درجہ والی ہوتی ہے کیونکہ صحیح

مطلق طور پر سند اور متن کے صحیح ہونے پر دلالت کرتا ہے جبکہ صحیح الاسناد سے صرف سند کا صحیح ہونا لازم آتا ہے۔اس سے متن میں موجود کسی علت کی نفی نہیں ہوتی۔

۷: يَتَلَقَّنُ: وہ لقمہ قبول کرتا ہے

کتبِ جرح وتعدیل میں کئی راویوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ " يَتَلَقَّنُ" وہ لقمہ قبول کرتا تھا،اس کا مطلب ہے کہ راوی کو کوئی چیز بتائی جائے اور وہ اسے یہ امتیاز کئے بغیر بیان کرتا ہے کہ یہ بات میری ہے یا نہیں۔جو راوی لقمہ قبول کرتا ہے،اس سے یہ خطرہ ہوتا ہے کہ وہ ایسی روایت بیان نہ کر دے جو اس کی نہیں۔

تدلیس کے متعلق چند اہم اصول:

پہلا اصول:

قلیل التدلیس راوی کی عن والی روایت صحیح ہوتی ہے الا کہ اس میں تدلیس ثابت ہو جائے۔ماقبل میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔اس کی بے شمار مثالیں ملتی ہیں،یہاں ایک مثال پیش خدمت ہے۔امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ کی قلتِ تدلیس کی وجہ سے محدثین نے ان کی معنعن

(1)الاذکار للنووی ص:۱۶۹)

روایت قبول کی ہے،جیسا کہ متعدد اہل علم نے تصریح کی ہے،حافظ ذہبی لکھتے ہیں:"وہ بسا اوقات تدلیس کرتے تھے۔"[1]

حافظ علائی نے انھیں دوسرے طبقہ میں شمار کیا ہے اور کہا ہے: ائمہ نے ان کے عن کو قبول کیا ہے۔[2]

علامہ سبط ابن العجمی فرماتے ہیں:"ائمہ نے ان کا عنعنہ قبول کیا ہے۔" حافظ ابن حجر نے خود فتح الباری (ج۱۰ص۴۲۷) میں انھیں قلیل التدلیس کہا ہے اور یہی راجح ہے۔دکتور خالد بن منصور الدریس حفظہ اللہ (الحدیث الحسن:ج۱ص۴۷۹) دکتور عبداللہ دمفو (مقدمہ مرویات الزہری المعللۃ:ج۱ص۵۴۔۵۵) محدث ابو اسحاق الحوینی (بذل الاحسان:ج۱ص۱۸،۱۷) دکتور ناصر بن حمد الفهد (منهج المتقدمين فى التدليس ص:۸۴۔۸۵) دکتور محمد بن طلعت (معجم المدلسين ص:۴۱۶۔۴۲۰) دکتور حاتم شریف العونی (التخريج و دراسة الاسانيد، ص:۷۷) استاد محترم محدث العصر شیخ ارشاد الحق اثری (توضيح الكلام، ج۱ص۳۸۸۔۳۹۰) وغیرہ علماء بھی اس بات کے قائل ہیں کہ قلیل التدلیس کا عن سے روایت کرنا مضر نہیں ہے۔

دوسرا اصول:

جو مدلسین صرف ثقہ راویوں سے بیان کریں تو ان کا عنعنہ مقبول ہوگا یہی موقف راجح ہے اور ائمہ فن کا یہی موقف ہے مثلاً حافظ ابو الفتح الازدی (الكفاية:ج۲ ص ۳۸۶) حافظ ابو علی الحسین بن علی بن زید الکرابیسی (شرح علل الترمذی لابن رجب:ص۵۸۳)

[1](میزان الاعتدال :ج۴ص ۴۰). [2] (جامع التحصیل ،ص:۱۳۰۔۱۳۵).

حافظ بزار(النکت لابن حجر:ج۲ص۶۲۴)

ابو بکر الصیرفی (النکت لابن حجر:ج۲ص۶۲۴)

ابن عبد البر (التمهید:ج۱ص۱۷)

قاضی عیاض(مقدمہ اکمال المعلم، ص:۳۴۹)

حافظ علائی(جامع التحصیل، ص:۱۱۵)

حافظ ذہبی(الموقظہ ص:۱۳۲)وغیرہ

اس کی مثال میں صرف امام ابن عیینہ آتے ہیں۔ان کے متعلق محدثین نے صراحت کی ہے کہ وہ صرف ثقہ راویوں ہی سے تدلیس کرتے تھے اور ان کا عن سے روایت کرنا کوئی مضر نہیں۔

امام ابن عیینہ کے عن کو ائمہ نے قبول کیا ہے مثلاً حافظ ابو الفتح ازدی فرماتے" ہم ابن عیینہ جیسوں کی تدلیس (عنعنہ) قبول کرتے ہیں۔(الکفایہ:۲/ ۳۸۷،رقم: ۱۱۶۵)امام ابن حبان نے یہی موقف اپنایا ہے(مقدمہ الاحسان: ۱/۱۲۱)

حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں: محدثین کے بقول ابن عیینہ کی تدلیس(معنعن) مقبول ہے۔(التمہید: ۱/۳۱) قاضی عیاض(مقدمہ اکمال المعلم: ۳۴۸/۳۴۹)حافظ ذہبی فرماتے ہیں:" ان (ابن عیینہ)سے احتجاج پر امت کا اجماع ہے وہ مدلس تھے مگر معروف ہے کہ وہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتے تھے۔"[1]

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:دوسرا طبقہ ان مدلسین کا ہے جن کی تدلیس کو ائمہ نے برداشت کیا ہے۔۔۔یا وہ صرف ثقہ سے تدلیس کرتے ہیں جیسے ابن عیینہ ہیں(طبقات المدلسین:۱۲)حافظ دارقطنی فرماتے ہیں:وہ صرف ثقات سے تدلیس کرتے ہیں۔[2]

[1](میزان الاعتدال :۲،۱۷۰، سیر اعلام النبلاء :۷،۲۴۲). [2] (سوالات الحاکم للدارقطنی:۱۷۵)

اس پر بہت زیادہ محدثین اور ائمہ فن کے اقوال ملتے ہیں، ہم انہیں پر اکتفا کرتے ہیں۔

تیسرا اصول: تدلیس کثیر کرنے والا راوی جب عن سے بیان کرے۔

مدلس راویوں کے مختلف طبقات ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ راوی اگر کثرت سے تدلیس کرتا ہے تو اس کی عن والی روایت ضعیف ہوتی ہے مگر جو راوی قلیل التدلیس ہو تو اس کی معنعن روایت مقبول ہو گی الا کہ اس کی روایت میں تدلیس ثابت ہو جائے۔یعنی وہ روایت تدلیس شدہ ہو گی، امام علی بن مدینی فرماتے ہیں:اذا کان الغالب علیہ التدلیس فلا حتی یقول:حدثنا۔"جب تدلیس اس پر غالب آجائے تب وہ حجت نہیں ہو گا، یہاں تک کہ وہ سماع کی صراحت کرتے ہوئے حدثنا (یاسمعت یا أخبرنا)کہے۔[1]

امام مسلم نے فرمایا: "محدثین نے جن راویوں کا اپنے شیوخ سے سماع کا تتبع کیا ہے، وہ ایسے راوی ہیں جو حدیث میں تدلیس سے مشہور ہیں، وہ اس وقت ان کی روایات میں صراحتِ سماع تلاش کرتے ہیں، تاکہ ان سے تدلیس کی علت دور ہو سکے۔" (مقدمہ صحیح مسلم ص:۲۲ ط دار السلام) یہی موقف محدثین کا ہے۔

حافظ ابن حجر کا سکوت:

حافظ ابن حجر کا اپنی کسی بھی کتاب مثلاً فتح الباری، التلخیص الحبیر، الدرایہ، ھدایۃ الرواۃ وغیرہ میں حدیث کو بیان کر کے اس پر سکوت اختیار کرنے سے اس حدیث کا حافظ ابن حجر کے نزدیک صحیح یا حسن ہونا لازم نہیں آتا۔ فتح الباری اور ھدایۃ الرواۃ کے مقدمہ میں حافظ ابن حجر نے خود کہا ہے کہ جس حدیث پر میں خاموشی اختیار کروں، وہ میرے نزدیک حسن ہے۔ لیکن وہ اس اصول پر پورے نہیں اترے، بلکہ بعض کذاب و متروک راویوں کی روایات پر بھی

[1](الکفایۃ للبغدادی:ج۲ص۳۸۷ وھو صحیح)

خاموش رہے ہیں۔ مثلاً:

۱: احمد الباھلی بالاتفاق متروک اور کذاب روای ہے، لیکن اس سے مروی حدیث پر حافظ ابن حجر نے سکوت اختیار کیا ہے۔[1]

۲: عبد الغفار بن قاسم کذاب اور متروک کی روایت پر حافظ صاحب نے خاموشی اختیار کی ہے۔[2]

۳: اسی طرح محمد بن سائب کلبی کی جھوٹی مروی روایت پر حافظ ابن حجر نے خاموشی اختیار کی۔[3]

صاحبِ بصیرت کے لیے یہی تین مثالیں کافی ہیں کہ حافظ ابن حجر اپنی کتاب میں کذاب اور متروک راویوں کی روایات موضوع پر بھی خاموشی اختیار کر جاتے ہیں تو ان کا سکوت حسن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیں: [4]

امام حاکم اور علامہ ذہبی کا سکوت:

امام حاکم کا مستدرک حاکم میں اور حافظ ذھبی کا تلخیص مستدرک حاکم میں کسی حدیث پر خاموشی اختیار کرنا ان کے نزدیک حدیث کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ بعض لوگ اپنے مسلک کی تائید میں وارد روایت کو صحیح باور کرانے کے لیے مذکورہ بے بنیاد اصول کا سہارا لے لیتے ہیں اور

[1](فتح الباری :۳۱۶،۲،التلخیص:۱۳۳،۲). [2] (فتح البا ری : ۵۰۳،۸). [3] (فتح البا ری: ۱۵۳،۷). [4] (اعلا ء السنن فی المیزان :ص ۷۴ ،۸۹)

مسلک کے خلاف حدیث میں اپنے اس مزعومہ اصول کی دھجیاں اڑا دیتے ہیں۔ امام حاکم نے تو مستدرک میں کذاب اور ضعیف راویوں کی روایات پر بھی سکوت اختیار کیا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا سکوت حدیث کے صحیح ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ تفصیل کے لیے (اعلا ء السنن فی المیزا ن:ص،۸۹۔۹۴،اور مقا لا ت اثر یہ:ص،۴۷۹/۵۱۱) دیکھیں

راویوں کے متعلق چند اہم فوائد:

(۱) راوی پر جرح وتعدیل کے لحاظ سے حکم لگاتے وقت مختصر کتب جرح وتعدیل پر اکتفا کرنا درست نہیں، مثلاً الکاشف للذھبی، المغنی للذھبی، تقریب التھذیب لا بن حجر وغیرہ۔ بلکہ مفصل کتب کی طرف مراجعت انتہائی ضروری ہے، خصوصاً اس وقت جب کسی راوی میں اختلاف ہو جائے کہ وہ ثقہ ہے یا ضعیف، تب مفصل کتبِ جرح وتعدیل کی طرف مراجعت ضروری ہو جاتی ہے مثلاً الجرح و التعدیل لابن ابی حاتم، التاریخ الکبیر للبخاری، تھذیب الکمال للمزی وغیرہ، لیکن اگر مفصل کتب سے تحقیق کرنے کے بعد ثابت ہو کہ یہ راوی ثقہ ہے اور مختصر کتب میں بھی یہی لکھا ہو تو پھر مختصر کتب کا حوالہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

(۲) رواۃ تین قسم کے ہیں

(۱) وہ رواۃ جن کے ثقہ ہونے پر اتفاق ہے۔

(۲) وہ رواۃ جن کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔

(۳) وہ رواۃ جن کے ثقہ یا ضعیف ہونے میں اختلاف ہے۔ تحقیق کے دوران میں مختلف فیہ

رواۃ پر بہت زیادہ محنت کرنی چاہیے اور اقرب الی الصواب قول کو اختیار کرنا چاہیے۔

(۳) احادیث تین قسم کی ہیں

(۱) وہ احادیث جن کے صحیح ہونے پر اتفاق ہے

(۲) وہ احادیث جن کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے

(۳) وہ احادیث جن کے صحیح یا ضعیف ہونے میں اختلاف ہے۔ دوران تحقیق مختلف فیہ احادیث پر بہت زیادہ محنت کرنی چاہیے اور اقرب الی الصواب کو اختیار کرنا چاہیے۔ نیز دیکھیے: [1]

(۴) اگر کسی حدیث کو ناقد محدث کسی علت کی بنا پر معلول قرار دے تو اس علت کو تسلیم کیا جائے گا۔ اس طرح جب وہ کسی حدیث کو صحیح قرار دے تو اسے صحیح تسلیم کیا جائے گا۔ اگر کوئی دوسرا محدث اس سے اختلاف کرے تو ترجیح کی صورت نکالی جائے گی۔ طرفین کی تحقیق پر غور وفکر کے بعد ایک کو راجح کہا جائے گا۔[2]

(۵) دورانِ تخریج ہر ہر راوی پر مفصل بحث کرنا فوائد سے خالی نہیں ہے، لیکن اگر وہ ثقہ ہے تو توثیق کے چند اقوال مع حوالہ جات لکھ دینے کافی ہیں، مثلاً ایک راوی ثقہ ہے، اس کی محدثین میں سے دس نے توثیق کی ہے تو وہاں صرف تین چار محدثین کے اقوال پر اکتفا کرنا اور ساتھ "وغیرہ" لکھ دینا کافی ہے۔

(۶)اگر کوئی معتبر محدث کسی حدیث پر حکم لگاتے وقت لکھ دے:"رجالہ ثقات"تو اس سے حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ صحیح حدیث کی پانچ شرائط ہیں تو" رجالہ ثقات" وغیرہ کہنے

[1](دلائل النبوة للبيهقي .ج ۱٫۳۲.۳۸مجموع الفتاوی لا بن تیمیہ :۴۹٫۱۸). [2] (النكت على ابن الصلاح لابن حجر :۷۱۱٫۲)

سے راویوں کا ثقہ اور عادل ہونا تو اس کے نزدیک ثابت ہوتا ہے لیکن باقی تین شرطیں اس میں نہیں پائی جاتیں، لیکن اس پر اعتماد کرنے سے پہلے تمام رواۃ کے حالات خود دیکھ لیے جائیں، تاکہ حقیقی یقین حاصل ہو اور شک وشبہ ختم ہو جائے، کیونکہ بعض محدثین صرف اکیلے ابن حبان کی توثیق کی وجہ سے بھی" رجالہ ثقات " کہہ دیتے ہیں، مثلاً حافظ ہیثمی مجمع الزوائد میں ایسا کرتے ہیں دیکھیے:مقدمہ الجامع الكامل فی الحديث الصحيح الشامل للمحدث ضياء الرحمن اعظمی حفظہ الله مدرس المسجد النبوی۔

(۷) تخریج میں حدیث کی اصل کتب کی طرف نسبت کرنا ضروری ہے، ایسی کتب جو مختصرات ہیں اور ان کی سندیں بھی محذوف ہیں، مثلاً '' مشكوة اور بلوغ المرا م ''تو تخریج میں ان کی طرف حدیث کی نسبت کرنا کوئی فائدہ نہیں دیتا، لیکن اگر اصل کتاب کے حوالے کے ساتھ مشکوۃ یا بلوغ المرام کا بھی نام لکھ دیا جائے پھر درست ہے۔

(۸) دوران تخریج صرف ایک نسخے پر اعتماد کرنا درست نہیں ہے، بلکہ اس کتاب کے جتنے بھی مطبوع یا مخطوط نسخے ہوں، تمام تک رسائی ضروری ہے، کیونکہ بعض دفعہ ایک حدیث ایک مخطوط میں نہیں ہوتی، لیکن وہی حدیث کسی دوسرے مخطوط میں ہوتی ہے مثلاً یہ بات مشہور ہے کہ '' إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ "موطاامام مالک میں نہیں ہے، حالانکہ یہ حدیث اس موطا میں ہے جو سوید بن سعید روایت کرتے ہیں۔كذا قا ل السيو طی [1]

اسی طرح سنن الترمذی میں "حسن صحیح "نقل کرنے میں نسخوں میں بہت زیادہ اختلاف ہے، جس طرح ابن اصلاح (مقدمہ ابن اصلاح ۲/ص:۳۲،بتحقيق نور الدين العتر)نے کہا ہے اور اس کی کئی علماء محدثین نے وضاحت کی ہے، شیخ احمد شاکر مصری نے اپنی تحقیق سنن

(1)(تنویر الحوالک۱٫۱۰)

الترمذی میں اس مشکل کو حل کرنے کی غرض سے انتہائی عمدہ کام شروع کیا تھا لیکن زندگی نے وفا نہ کی اور وہ یہ کام مکمل نہ کر سکے۔فجزاه الله خيرا۔

(۹) تخریج سے حدیث پر کتب حدیث و اجزاء وغیرہ کے حوالوں کو جمع کرنا مقصد نہیں ہوتا۔ بلکہ تخریج کا مقصد حدیث کے مرتبے کی پہچان کرنا ہے اور طرقِ حدیث پر بحث کرنا اس وقت اہم بلکہ فرض ہو جاتا ہے جب کسی تابع یا مدلس کے سماع کی صراحت یا مبہم راوی کے نام کی صراحت تلاش کرنا مقصود ہو یا قیمتی اسنادی فوائد پیش نظر ہوں۔

(۱۰) دوران تخریج حدیث کا حوالہ مشہور متداول کتب سے دینا چاہیے، اگر ان میں ہو۔ لیکن مشہور کتب میں حدیث بھی ہے لیکن وہ حوالہ دور کی کسی کتاب کا دے رہا ہے تو یہ درست نہیں ہے مثلا: اگر کوئی سنن ابی داود کی حدیث پر سنن ابی داود کی بجائے مستدرک حاکم کا حوالہ لکھتا ہے تو یہ

فنی اعتبار سے درست نہیں۔ مستدرک حاکم کی بنسبت سنن ابی داود قریب کی مشہور اور متداول کتاب ہے۔ امام ابن قطان نے "بیان الوھم والا یھام" میں مستقل باب باندھا ہے کہ وہ احادیث جن کو علامہ اشبیلی نے دور کی کتب کی طرف منسوب کیا ہے۔

(۱۱) اگر کوئی حدیث بخاری و مسلم دونوں میں ہے تو حوالہ لکھتے وقت دونوں کا حوالہ لکھنا ضروری ہے، تاکہ حدیث کو اصل درجہ حاصل ہو۔ مثلاً "عذاب القبر حق" بخاری و مسلم دونوں میں ہے لیکن اگر کوئی اس پر صرف بخاری کا حوالہ لکھتا ہے تو گویا قاری اس حدیث کو صحیح حدیث کے درجو ل میں سے دوسرا درجہ دے رہا ہے، حالانکہ وہ حدیث بخاری و مسلم (متفق علیہ) کی اعلی درجہ کی حدیث ہے۔

(۱۲) اگر بخاری و مسلم یا صرف بخاری یا صرف مسلم میں ہے تو قیمتی فائدے کی غرض سے ان کے علاوہ دیگر کتبِ سنن وغیرہ کے حوالے لکھنا بھی درست ہے لیکن تاجرانہ سوچ رکھ کر کتاب کا حجم بڑھانے کے لیے بالکل درست نہیں۔

(۱۳) دورانِ تخریج صرف کتاب کا نام لکھ دینا کافی نہیں بلکہ مکمل حوالہ لکھنا چاہیے، مثلاً صحیح بخاری کتاب فلاں، باب فلاں، رقم الحدیث فلاں یا جز فلاں۔ یا صحیح البخاری، کتاب فلاں، باب فلاں۔ یا صحیح البخاری رقم الحدیث فلاں، ان طریقوں سے پہلا طریقہ زیادہ فوائد پر مشتمل ہے، اس میں کتاب، باب، رقم الحدیث، جز یا جلد اور صفحہ نمبر تمام چیزیں آجاتی ہیں، جس سے قاری کا حدیث تک پہنچنا انتہائی آسان ہو جاتا ہے۔

(۱۴) کتب حدیث اور رجال کا منہج سمجھنا بہت ضروری ہے، اس پر بحث آگے آرہی ہے ان شاء اللہ

(۱۵) تحقیقِ حدیث میں جہاں سند کی تحقیق میں رواۃ پر بحث ہوتی ہے اور سند میں اتصال یا انقطاع معلوم کرنا ضروری ہوتا ہے۔ وہاں متن کی تحقیق بھی بہت ضروری ہے، وہ متن شاذ، منکر، مضطرب، مقلوب، وغیرہ کی قسموں میں سے تو نہیں۔ گویا صرف سند کی تحقیق کو پیشِ نظر رکھنا غلط ہے، جس طرح ہمارے بعض شیوخ چلے ہیں!!! تحقیق میں متن کو بھی پیشِ نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔

(۱۶) اگر سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں اور اس میں صحیح حدیث کی باقی شروط بھی موجود ہیں تو اس پر "صحیح لذاتہ" کا حکم لگایا جائے گا۔

(۱۷) اگر سند کے تمام رواۃ ثقہ ہیں سوائے ایک کے اور وہ صدوق درجے کا ہو تو اس کا حکم "حسن لذاتہ" ہوگا

(۱۸) ضعیف روایت کو بیان کرتے وقت صیغہ تمریض استعمال کیا جائے گا، تاکہ قاری وہم میں نہ پڑے۔ افسوس کہ بعض علماء ضعیف روایت کو بھی صیغہ جزم کے ساتھ روایت کر دیتے ہیں، حالانکہ یہ انداز درست نہیں۔ حافظ ابن الصلاح نے اس پر عمدہ بحث کی ہے۔[1]

[1]مقدمہ ابن الصلاح ص:۹۳-۹۴

(۱۹) جس طرح صحیح حدیث کی اقسام ہیں تو تخریج کے وقت جو حکم ثابت ہو، وہی لگانا چاہیے، اسی طرح ضعیف حدیث کی بھی بہت زیادہ اقسام ہیں، جو حکم جس پر ثابت ہوگا وہی لگایا جائے گا، مثلاً اگر روایت موضوع ہے تو اس کو موضوع ہی کہا جائے گا، اگر اس پر حکم ضعیف کا لگا دیا تو یہ غلط شمار ہوگا، اس پر شیخ ناصر الدین رحمہ اللہ نے بہت زور دیا ہے۔ فجزاہ اللہ خیراً (۲۰) بعض علماء حسن حدیث کو صحیح سے الگ نہیں کرتے بلکہ حسن پر بھی صحیح کا اطلاق کر دیتے ہیں مثلاً ابن خزیمہ اور ابن حبان وغیرھما۔ اگر دیکھا جائے تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بے شمار حسن روایات موجود ہیں، لیکن ان کو صحیح میں شمار کیا گیا ہے۔

ضعیف حدیث کو بیان کرنے کا طریقہ:

جب کسی ضعیف حدیث کو لکھنا ہو یا بیان کرنا ہو تو اس وقت جزم کے صیغے (صیغہ معروف) سے بیان نہیں کرنا چاہیے بلکہ صیغہ تمریض (صیغہ مجہول) سے بیان کرنا چاہیے افسوس ان بعض خطیبوں پر جو پہلے صیغہ جزم کے ساتھ تفصیل سے ضعیف قصہ یا روایت بیان کرتے رہتے ہیں اور تقریر کے آخر میں کہہ دیتے ہیں:" فیہ مقال یا فیہ کلام "اس انداز سے سامع کو اس ضعف کا کچھ علم نہیں ہوتا نہ ہی وہ لوگ فیہ مقال یا فیہ کلام کا مطلب سمجھ رہے ہوتے ہیں!!

یہ طریقہ غلط ہے، بلکہ پہلے یہ بتانا چاہیے کہ ایک ضعیف روایت ہے اس سے بچو، اس پر عمل کرنا چھوڑ دو، پھر وہ روایت بیان کی جائے، اس کے متعلق علامہ نووی لکھتے ہیں: محدثین اور محققین کا یہ کہنا ہے کہ جب حدیث ضعیف ہو تو اس کے بارے میں یوں نہیں کہنا چاہیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے یا آپ نے کہا یا آپ نے کرنے کا حکم دیا ہے یا منع کیا ہے اور اسی طرح دوسرے جزم کے صیغوں سے بیان نہیں کرنی چاہیے، بلکہ ان سب صورتوں میں یوں کہا جائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے، یا نقل کیا گیا ہے یا روایت کی جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ کیوں کہ جزم کے صیغے روایت کی صحت کے متقاضی ہوتے ہیں، لہذا ان کا اطلاق اسی روایت پر کیا جانا چاہیے، جو صحیح ثابت ہو، ورنہ وہ انسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے والے کی مانند ہو گا، مگر اس ادب کو جمہور فقہاء اور دیگر اہل علم نے ملحوظ نہیں رکھا سوائے ماہرین محدثین کے۔

جرح وتعدیل:

یہ ایک مستقل فن ہے، اس کی تفصیلات کا یہ محل نہیں، بعض چیزوں کی طرف اشارہ مقصود ہے، تفصیلات کے لیے اس فن پر لکھی گئی کتب کا مطالعہ کیا جائے۔ توفیق الہی سے راقم نے بھی اس فن پر درج ذیل کتب لکھ رکھی ہیں:

۱: موسوعۃ المدلسین

۲: الفتح الجلیل فی ضوابط الجرح والتعدیل

۳: علوم الحدیث عند الامام محمد ناصر الدین

۴: احناف کے اصول حدیث استاد محترم محدث العصر شیخ ارشاد الحق حفظہ اللہ کی نظر میں ۵: محدثین کے حالات اور ان کی کتب حدیث کا منہج

۶: ائمہ جرح وتعدیل کے حالات اور ان کی کتب جرح وتعدیل کا منہج۔ یسر اللہ لنا طبعہا ائمہ جرح وتعدیل کے کچھ طبقات ہیں۔ کچھ محدثین جرح کرنے میں بہت ہی متشدد ہیں اور کچھ تعدیل کرنے میں متساہل اور کچھ معتدل ہیں۔ معتدلین کی تعدیل کے مقابلے میں متشددین کی جرح کا کوئی خاص اعتبار نہیں اور متساہلین کی تعدیل کا معتدلین کی جرح کے مقابلے میں کوئی خاص وزن نہیں۔

راویوں کو ثقہ یا ضعیف ثابت کرتے وقت انصاف کرنا!

دورانِ تحقیق کسی راوی کو ثقہ یا ضعیف ثابت کرتے وقت انصاف سے کام لینا فرض ہے، کیونکہ اگر ایک راوی ناانصافی کی وجہ سے ضعیف ہو گیا تو اس کی روایات پر تنقید ہو گی اور اگر کوئی راوی ناانصافی کی وجہ سے ثقہ ثابت کر دیا گیا تو اس کی احادیث کو صحیح سمجھا جائے گا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ بعض متعصب اور مقلد اہل علم اپنی مستدل حدیث کو صحیح ثابت کرنے کے لیے اس کے راویوں کو ثقہ ثابت کریں گے خواہ انھیں جیسے مرضی ثقہ کہنا پڑے، حالانکہ وہ راوی ضعیف ہوتا ہے بلکہ کذاب ودجال راویوں کو بھی ثقہ ثابت کیا جاتا ہے۔ یا اسفا۔

ثقہ کی زیادتی:

تعریف: جب راوی کسی حدیث (سند یا متن یا دونوں) میں کسی اضافے کو اپنے استاد سے بیان کرنے میں باقی راویان سے علیحدہ ہو تو اسے "زیادۃ الثقہ" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔[1]

[1](اختصار علو م الحدیث لا بن کثیر :ص۶۱)

زیادۃ الثقہ کے حکم کا خلاصہ:

مصطلح الحدیث میں زیادۃ الثقہ کی بحث میں محدثین نے جو تفصیل بیان کی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) زیادتی کے رد اور انکار کا مدار اس پر ہو گا کہ وہ زیادتی دوسرے ثقہ راویوں کی روایت کے منافی ہو گی تو ایسی صورت میں جمہور محدثین کے ہاں ناقابل اعتماد ہو گی۔

(۲) اگر وہ منافی نہ ہو اور کوئی قرینہ اس کے خطا، نسیان یا وہم پر بھی دلالت نہ کرے، یعنی اس زیادت کو ایک مستقل حدیث ایسی اساسی حیثیت حاصل ہو تو وہ بلاشبہہ قابلِ قبول گی۔

فضیلۃ الشیخ محدث العصر ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ نے (توضیح الکلام ص:۶۶۷ تا ۶۷۵) میں زیادۃ الثقہ پر جو کلام کیا ہے، وہ لائق مطالعہ ہے۔
(۳) راوی کا حال قبول اور رد کا میزان ہوتا ہے۔ اگر زیادت کا راوی احفظ اور اوثق ہو، یعنی اس زیادت کو نہ بیان کرنے والے سے زیادہ ثقہ ہو تو اس زیادت کو قبول کیا جائے گا۔ اگر دونوں تعدیل کے مرتبے میں برابر ہوں، تب بھی اس زیادت کو قبول کیا جائے گا۔ اگر زیادت کا راوی، زیادت نہ کرنے والوں سے ثقاہت میں کم ہو تو اس کی زیادت قابل اعتبار نہ ہو گی، وہ بلاشبہہ شاذ کے زمرے میں آئے گی۔ البتہ بعض دفعہ قرائن وشواہد کی بنا پر اس سے مختلف حکم بھی لگ سکتا ہے۔ یہ اس زیادت کا خلاصہ ہے، جو محدثین نے مصطلح الحدیث میں شاذ اور منکر کے تحت بیان کیا ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے علاوہ کسی بھی کتبِ صحاح پر اعتماد نہیں:

صحیحین کے علاوہ جس نے بھی صحیح احادیث پر مشتمل کتب لکھنے کی کوشش کی ہے تو وہ تمام احادیث صحیح نہیں لاسکا۔ بلکہ ضعیف اور موضوع روایا ت کو بھی صحیح میں درج کر دیا ہے، مثلاً:

(۱)امام ضیاء مقدسی کی المختارہ، ابوغدہ حنفی اور تقی عثمانی دیوبندی نے اس بات کا برملا اعتراف کیا ہے کہ المختارہ کی تمام احادیث صحیح نہیں، بلکہ اس میں ضعیف اور منکر روایات بھی ہیں۔[1]

حافظ ذہبی نے عبداللہ بن کثیر بن جعفر کے ترجمہ میں المختارہ سے ایک روایت نقل کی اور فرمایا: معلوم نہیں یہ کون ہے ؟ یہ حدیث باطل اور سند مظلم ہے، عبداللہ بن کثیر سے روایت کرنے میں عبداللہ بن ایوب منفرد ہے، ضیاء الدین(مقدسی) نے اس کی المختارہ میں تخریج کر کے اچھا نہیں کیا۔[2]

(۲) امام حاکم نے مستدرکِ حاکم میں بھی صحیح احادیث کا اہتمام کیا ہے لیکن اس کے باوجود بے شمار ضعیف اور موضوع روایات کو بھی صحیح کہا گیا ہے۔ حافظ ابن حجر ایک راوی کے متعلق فرماتے ہیں، ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کر کے اس کتاب کو عیب دار بنا دیا ہے، اسی طرح حاکم نے بھی مستدرک میں اس کی حدیث لا کر غلطی کی ہے۔[3]

فضائل اعمال میں ضعیف حدیث کو قبول کرنے کی شرائط: بعض کہتے ہیں: فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث چند شرائط کے ساتھ مقبول ہے وہ شرطیں درج ذیل ہیں:

(۱)اس حدیث میں ضعف شدید نہ ہو، کذاب، متہم بالکذب اور فحش الغلط کی روایت نہ ہو، اس شرط پر اتفاق ہے۔

(۲)عام دلیل کے تحت درج ہو۔

(۳) اس پر عمل کرتے وقت اس کے ثبوت کا عقیدہ نہ رکھا جائے۔(القو ل البدیع فی فضل الصلاۃ علی الحبیب الشفیع:ص:۲۵۸)پہلی شرط پر حافظ علائی نے علماء کا اتفاق نقل کیا ہے۔[4]

(۴) عمل کرنے والے کا یہ عقیدہ ہو کہ حدیث ضعیف ہے۔-[5]

(۵) مدح اور ذم کے لحاظ سے اس حدیث میں بیان کردہ مسئلہ شریعت میں ثابت ہو۔

(۶) یہ ضعیف حدیث صحیح حدیث کی تفصیلات و توضیحات وغیرہ پر مشتمل نہ ہو۔[6]

تبصرہ:

کیونکہ غیر ثابت چیز کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا ہی درست نہیں ہے۔ دین اسلام مکمل ہے اس میں ذرہ بھی نقص نہیں ہے تو فضائل میں غیر ثابت چیز کو دین میں داخل کرنا مشعر ہے کہ دین میں یہ فضائل کی کمی تھی۔ معاذ اللہ

محدث العصر امام محب اللہ شاہ رشدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:"میں سمجھتا ہوں کہ حافظ ابن حجر نے ضعیف حدیث کے فضائلِ اعمال میں قبولیت کی جو شرائط تحریر فرمائی ہیں، وہ بھی دراصل ضعیف سے روکنا ہی مقصود ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انھوں نے ضعیف حدیث کی مقبولیت کے متعلق براہ راست اس لیے اظہار کی جرات نہیں فرمائی کہ چند بڑے بڑے فضلاء علماء مثلاً امام احمد جیسے بزرگوں نے بھی ایسی ضعیف حدیث جو موضوع، مضطرب اور منکر نہ، ہو اس پر عمل میں کچھ تساہل اختیار کیا ہے، لیکن حافظ وغیرہ کی صحیح حکمت عملی نے ایسی شروط مقرر فرمادیں جو نہ توان کا پوری طرح سے ایفاء

[1]حاشیہ اعلاء السنن :۱۰۳،۲، ۱۰۴). [2] (میزان :۴۷۳،۲). [3] (لسان المیزان :۱۶۳،۲). [4] (تدریب الراوی :۲۹۸،۱). [5] (تبیین العجب بماورد فی فضائل رجب لابن حجر :۷۲). [6] (حکم العمل با لحدیث الضعیف فی فضا ئل الاعمال لاشرف بن سعید المصری :ص۵۵

ہی ہو سکتا ہے اور نہ ہی وہ قابل عمل بن سکتی ہیں فجز اہ اللہ خیرا [1]

ان شرائط پر مفصل بحث و تنقید شیخ غازی عزیر مبارک پوری حفظہ اللہ نے اپنی کتاب (ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حثیت:ص،۳۱۵/۲۶۴) میں کی ہے۔

جب جرح وتعدیل میں تعارض آجائے؟

اگر کسی راوی کے متعلق تعارض آجائے، یعنی کچھ اس کو ثقہ کہہ رہے ہیں اور کچھ ضعیف۔ تو ایسی صورت میں ائمہ جرح وتعدیل کے مراتب کا لحاظ رکھتے ہوئے راوی پر راجح موقف اختیار کریں گے، مثلاً ایک راوی کو صرف امام ابن معین، امام بخاری اور امام دارقطنی ثقہ کہیں، لیکن امام ابن حبان، حاکم وغیرہ ضعیف کہیں خواہ ضعیف کہنے والے ان جیسے دس کیوں نہ ہوں توان دس کی بات مرجوح ہوگی اور تین ائمہ جو جرح وتعدیل کے متفق ائمہ تھے، ان کی بات مانی جائے گی، خواہ وہ تین ہی ہوں، کیونکہ متساہل ائمہ سو مل کر بھی ان اعلی درجے کے ائمہ میں سے تین کے برابر نہیں ہوسکتے۔ یادرہے کہ "جمہوریت" غلط ہے، خواہ الیکشن میں ہے یا تحقیقِ رواۃ میں۔ یہ اصول ہی باطل ہے کہ جس کو زیادہ ثقہ کہیں وہ ثقہ ہے۔ ۵ کے مقابلے میں ۶ زیادہ ہیں، لہذا ۶ کی بات مانی جائے گی۔ یہ کوئی اصول نہیں ہے۔ حقیقت میں راوی ثقہ ہو اور اس کو اتفاقا اکثر محدثین بھی ثقہ کہہ رہے ہیں اور بعض متاخرین اہل علم نے لکھا بھی ہو کہ "وثقہ الجمھور" تو اس سے یہ اصول وضع کرلینا کہ ہر جگہ جمہور کی بات مانی جائے گی، درست نہیں ہے۔

مجہول:

اگر ثقہ راوی سے صرف روایت کرنے والا ایک راوی ہے تو اسے مجہول العین کہتے ہیں اور اگر اس سے دو ثقہ روایت کریں اور اس کی کسی نے توثیق نہ کی ہو تو اسے مجہول الحال

[1](ضعیف احادیث کی معرفت اور ان کی شرعی حیثیت :ص،۲۷۴)

کہتے ہیں۔ فائدہ: ابن الجوزی تخریج وتحقیق میں کافی اوہام کا شکار ہوئے ہیں، ان کی ضروری تفصیل محدث مصر امام ابو اسحاق الحوینی حفظہ اللہ نے اپنی کتاب "جنۃ المرتاب" کے مقدمہ (ص:۱۰تا۱۴) میں بیان کی ہے فجزاہ اللہ خیرا

امام ابن جوزی کے کسی راوی پر حکم لگانے میں اعتماد نہ کیا جائے۔ امام ابن جوزی اپنی کتاب میں راویوں پر جرح وتعدیل کے حوالے سے ان کے ثقہ یاضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں۔ لیکن وہ اس فن کے ماہر نہیں تھے اسی وجہ سے محدثین نے ان پر تنقید شدید کی ہے۔ مثلاً حافظ ذہبی لکھتے ہیں: میں نے حرقانی کے خط سے پڑھا ہے کہ ابن الجوزی اپنی تصانیف میں بہت زیادہ غلطیاں کرنے والے تھے، وہ کتاب لکھ کر فارغ ہوتے اور اس کو معتبر نہیں سمجھتے تھے۔[1]

حافظ ذہبی لکھتے ہیں: ابان بن یزید العطار کو ابن الجوزی نے اپنی کتاب ضعفاء میں ذکر کیا ہے اور اس کی توثیق کرنے والوں کے اقوال ذکر ہی نہیں کیے یہ بات اس کی کتاب کے عیوب سے ہے کہ وہ جرح لکھ دیتے ہیں اور توثیق سے خاموشی اختیار کر جاتے ہیں۔[2]

حافظ ذہبی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ابو حاتم نے طالوت بن عباد کو ثقہ کہا ہے لیکن ابن جوزی نے بغیر کسی تحقیق کے کہہ دیا کہ "ضعفه علماء النقل" اس کو علمائے نقل نے ضعیف کہا ہے۔ میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ میں قیامت تک تلاش کرتا رہوں لیکن میں کسی ایسے محدث کو نہیں پاؤں گا جس نے اس کو ضعیف کہا ہو۔[3]

[1](تذکرۃ الحفاظ :۱۳۴۷،۴). [2] (میزان الاعتدال:۱۷،۱) . [3] (میزا ن الاعتدال :۳۳۴،۲)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں: ''فما له فيه ذوق المحدثين " ابن جوزی میں محدثین کا ذوق نہیں ہے (احادیث کو پرکھنے اور راویوں پر جرح و تعدیل کا حکم لگانے میں) [1]

مذکورہ تفصیل سے ثابت ہوا کہ ابن الجوزی اگر کسی راوی پر حکم لگائیں تو اسے آنکھیں بند کر کے نہیں لینا چاہیے جب تک مکمل تحقیق نہ کر لی جائے، کیونکہ ابن جوزی راویوں پر حکم لگانے میں غفلت کا شکار ہوئے ہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ہمیں اس طرح کے لوگوں کی کتب سے پوری توجہ سے نقل کرنا چاہیے۔

مرضی کے قواعد بنانا درست نہیں!

بعض لوگ اپنے مذہب کی خاطر بعض غلط اور بے بنیاد قواعد کا سہارا لیتے ہیں، حالانکہ انھیں قواعد پر عمل کرنا ہوگا جو محدثین نے اپنائے، اس طرح اسلام کو بہت نقصان پہنچا کہ مرضی کے غلط اور شاذ قواعد بنانے کی وجہ سے کتنی ہی ضعیف روایات کو صحیح قرار دیا گیا، اور اس کے برعکس بھی کتنی ہی صحیح احادیث کو ضعیف قرار دیا گیا، اس منہج کو اپنانے میں انتہائی خطرناک نتائج سامنے آتے ہیں۔ چند باطل قواعد کی تفصیل درج ذیل ہے۔ قاعدہ نمبر:ا بعض نے کہا، '' التد ليس والا رسا ل فى القر ون الثلا ثة لا يضر نا " قرون ثلاثہ میں تدلیس اور ارسال ہمیں مضر نہیں۔[2]

تبصرہ: حالانکہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں بے شمار راوی تدلیس کرتے تھے، حالانکہ یہ اصول ہے کہ جو کثیر تدلیس کرنے والا راوی ہے، اس کی عن سے مروی روایت ضعیف ہے۔ اسی

[1](طبقات المغیرین :۱۷بحوالہ جنۃ المرتاب لابی اسحاق الحوینی :ص، ۱۱ ،۱۲). [2] (اعلا ء السنن :۳۱۳،۱)

طرح مرسل تابعی راجح قول کے مطابق جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف ہوتی ہے، کیونکہ اس میں تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ راست بیان کرتا ہے اور تابعی کے بعد رواۃ کا ہمیں علم نہیں کہ وہ کون ہیں اور کتنے ہیں؟ اس لیے وہ روایت ضعیف ہوتی ہے۔ قاعدہ نمبر:۲ بعض علمائے احناف لکھتے ہیں: "والانقطاع لایضرنا" انقطاع ہمیں نقصان نہیں دیتا۔[1]

تبصرہ: یہ بات محدثین کے اصول کے خلاف ہے۔ انقطاع کی وجہ سے روایت ضعیف ہوتی ہے یہی محدثین کا اصول ہے۔ قاعدہ نمبر:۳ بعض اہل علم نے کہا کہ ہر مدلس کی عن سے مروی روایت ضعیف ہوتی ہے! تبصرہ: حالانکہ یہ بات بھی درست نہیں، کیونکہ محدثین متقدمین سے لے کر اب تک کے تمام محدثین و محققین، سوائے چند اہل علم کے، محدثین کثیر التدلیس راوی کی روایت عن سے مروی ہو تو اسے ضعیف کہتے ہیں لیکن اگر راوی قلیل التدلیس ہے مثلاً زہری وغیرہ تو اس کی عن سے مروی روایت کو صحیح کہتے ہیں الا یہ کہ تدلیس ثابت ہو جائے۔

قا عد ہ نمبر:۴ بعض اہل علم نے کہا:‘‘حسن لغیرہ حجت نہیں ”

تبصرہ: یہ اصول بھی باطل ہے، ائمہ متقدمین اور متاخرین سے یہ بات کثرت سے ثابت ہے کہ حسن لغیرہ حجت ہوتی ہے۔ اپنی شروط کے ساتھ اس کی تفصیل آگے آرہی ہے۔

قا عدہ نمبر:۵ کذا اور ضعیف را وی کو ثقہ ثا بت کر نے کی کو شش کر نا !

تبصرہ: جو راوی اصولِ محدثین اور جرح وتعدیل کی روشنی میں ضعیف یا کذاب ثابت ہو جائے تو

[1](اعلاء السنن :۱؍۲۰۴)

وہ ضعیف اور کذاب ہی ثابت کیا جائے گا، یہی امانت علمی ہے۔ افسوس کہ بعض اہل علم مرضی کے راوی کو ثقہ ہی ثابت کرتے ہیں خواہ وہ بالاتفاق کذاب یا ضعیف ہی ہو، مثلاً جابر الجعفی کذاب ہے، مگر بعض مطلب کی روایات میں ان کو ثقہ ثابت کرنے کی بے جا کوشش کی جاتی ہے!!

قاعدہ نمبر:۶ مختلف فیہ راوی کی روایت حسن درجے کی ہو تی ہے ؟

تبصرہ: یہ قاعدہ بھی اپنی فقہ کو تقویت دینے کے لیے احناف استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ قاعدہ ثابت نہیں۔ صحیح بات یہ ہے کہ مختلف فیہ راوی کے متعلق ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال دیکھ کر راجح فیصلہ کریں گے۔ اگر وہ ضعیف ثابت ہوا تو ضعیف کا حکم لگایا جائے گا اور اگر وہ ثقہ یا صدوق ثابت ہوا تو اس کو ثقہ یا صدوق ثابت کیا جائے گا۔

قاعدہ نمبر:۷ کسی بھی امام کے سکوت سے حدیث کا اس کے نزدیک صحیح یا حسن ہو نا لا زم نہیں آتا۔

بعض لوگوں نے یہ بات مشہور کر دی ہے کہ اس حدیث پر فلاں امام نے سکوت اختیار کیا ہے گویا یہ حدیث صحیح ہے !حالانکہ یہ بات درست نہیں۔

قاعدہ نمبر:۸ امام ابو داود کا سکوت ؟

یہ اصول سرے سے غلط ہے،اس کی کوئی اصل نہیں ہے،احناف اس اصول کو بہانہ بنا کر صحیح باور کراتے ہیں!! حالانکہ حافظ ابن حجر نے اس کے غلط ہونے پر مفصل بحث کی ہے اور لکھا ہے کہ امام ابو داود نے حا رث بن وجیہ، صد قہ دقیقی، عثما ن بن واقد عمر ی، محمد بن عبدالر حمن البلیما نی، ابو جنا ب کلبی، سلیما ن بن ار قم، اسحا ق بن عبد اللہ بن ابی فر وہ وغیرہ جیسے متر وک اور ضعیف راویوں کی روایات پر سکوت کیا ہے۔علاوہ ازیں اس میں منقطع، مدلسین اور مبہم راویوں کی روایات بھی ہیں، اس پر مفصل بحث کرنے کے بعد بالآخر فرمایا ہے کہ درست یہ ہے کہ ان کے صرف سکوت پر اعتماد نہیں ہے، اس لیے کہ ہم نے ذکر کیا کہ وہ ضعیف احادیث سے استدلال کرتے ہیں اور انھیں قیاس پر مقدم جانتے ہیں۔[1]

اس پر سیر حاصل بحث کے لیے دیکھیے ہمارے استاد محترم محدث العصر ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی کتاب۔[2]

قاعدہ نمبر:۹امام نسائی کا سکوت ؟

امام نسائی کا سنن صغری میں کسی حدیث پر سکوت اختیار کرنا دلیل نہیں کہ امام نسائی کے نزدیک وہ حدیث صحیح ہے!! حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں: ‘‘ انہ غیر مسلم فا نہ فیہ رجا لاً مجھولین اما عینا أوحالا، و فیھم المجروح و فیہ أحادیث ضعیفۃ معللۃ ومنکر ۃ ”یہ بات مسلم نہیں (کہ سنن نسائی کی احادیث سکوت پر مبنی صحیح ہیں) کیونکہ اس میں مجہول العین یا مجہول الحال اور مجروح راوی ہیں اور اس میں ضعیف، معلول اور منکر احادیث ہیں۔[3]

حافظ ابن کثیر سے پہلے حافظ ابن الصلاح نے بھی سنن النسائی کے متعلق یہاں تک کہا ہے‘‘ ھذا عجیب اذ یر وی ویقول: متر وک ”یہ عجیب بات ہے کہ اس کی روایت ذکر کر

[1]النکت لا بن حجر :۱؍۴۴۳). [2] (اعلا ء السنن فی المیزان :۵۲-۷۱). [3] (اختصار علو م الحدیث :۴۱)

تے ہیں اور اس کے باوجود اسے متروک کہتے ہیں۔[1]

ثابت ہوا کہ کئی ایسے راوی بھی ہیں جن کو خود امام نسائی نے متروک اور ضعیف بھی کہا ہے لیکن ان کی روایات پر سکوت بھی کیا۔اس سے ثابت ہوا کہ امام نسائی کا کسی حدیث پر سکوت اختیار کرنے سے اس حدیث کا صحیح ہونا لازم نہیں آتا۔مزید تفصیل کے لیے دیکھیں۔[2]

دسواں قاعدہ: ثابت شدہ متداول کتب کا انکار کر دینا

بعض اپنے غلط اصولوں کی پیروی میں محدثین کی کتب کا انکار کردیتے ہیں مثلا العلل الکبیر للترمذی، انساب الاشراف، سوالات ابی عبید الآجری، وغیرھا۔یہ ثابت شدہ کتب ہیں ان سے مصنفین کے دور سے لے کر آج تک مسلسل استفادہ کیا جارہا ہے ان ثابت شدہ کتب سے انکار جہاں غلط منہج پر واضح دلیل ہے، وہاں ظلم عظیم بھی۔تفصیل کا یہ محل نہیں بس اشارہ کافی ہے۔

بعض محدثین کی خاص اصطلاحات:

اگر امام ابن حبان کے ساتھ کوئی اور بھی توثیق کردے تو؟ وہ راوی ثقہ قرار پائے گا خواہ اس راوی کو امام ابن حبان کی توثیق کے ساتھ حافظ ذھبی یا حافظ ابن حجر ہی ثقہ کہہ دیں تو وہ راوی واقعۃً ثقہ شمار ہوگا، کیونکہ اب امام ابن حبان اکیلے توثیق نہیں کررہے بلکہ مزید کی تائید بھی حاصل ہے۔ تائید کرنے والا خواہ متقدمین سے ہو یا متاخرین سے۔

جس راوی کو امام ابن حبان اکیلے ثقہ کہیں؟

[1](میز ان الاعتدال :۵۹۸،۳). [2] (اعلا ء السنن فی المیزان :ص۷۱-۷۴).

توان کی توثیق تسلیم نہیں کی جاتی، کیونکہ یہ متساہل تھے۔بغیر کسی دلیل کے مجہول راویوں کو بھی ثقہ کہہ دیتے ہیں۔

امام بخا ری اور التا ریخ الکبیر:

امام بخاری کا تاریخ کبیر میں اپنا خاص منہج ہے جس کو سمجھنا نہایت ضروری ہے، تاکہ التاریخ الکبیر پڑھتے وقت کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔علامہ معلمی یمانی فرماتے ہیں: امام بخاری کا التاریخ الکبیر میں کسی حدیث کو بیان کرنا اسے کچھ فائدہ نہیں دیتا، بلکہ اس کو نقصان پہنچا تا ہے کیونکہ امام صاحب التاریخ میں حدیث اس لئے ذکر کرتے ہیں کہ وہ اس کے راوی (صاحب ترجمہ) کی کمزوری پر دلالت کرے۔[1]

’’فیہ نظر ‘‘: جس راوی کے متعلق امام بخاری ’’فیہ نظر ‘‘ کہیں، اس سے مراد ہے کہ وہ راوی پر جرح کررہے ہیں۔بعض دفعہ صحابہ کرام رضو ان اللہ علیہم ا جمعین پر بھی ’’فیہ نظر ‘‘ لکھ دیتے ہیں تو اس سے مراد صحابی پر جرح نہیں بلکہ اس سے مروی روایت پر جرح مقصود ہے۔نیز دیکھیں: [2]

’’منکر الحدیث‘‘: یہ سخت جرح ہے، امام بخاری کے نزدیک اس طرح کے راوی سے روایت لینا حلال نہیں۔

امام بخا ری کا ’’ التا ریخ الکبیر ‘‘ میں کسی راوی پر سکو ت:

امام بخاری اپنی کتاب ’’التاریخ الکبیر ‘‘ میں جس راوی پر خاموشی اختیار کریں، اس

[1](تعلیق الفو ائد المجمو عۃ للمعلمی :ص،۱۸۰تحت ح ۶۱). [2] (حا شیہ الر فع والتکمیل :ص۳۹۲)

پر بحث و تحقیق دیگر محدثین کے اقوال کی روشنی سے کریں گے نہ کہ امام بخاری کے خاموش رہنے کی وجہ سے اس راوی کے ثقہ یا ضعیف ہونے پر استدلال کیا جائے گا، جس طرح فرقِ باطلہ کرتے ہیں۔بعض کہتے ہیں کہ راوی ہی اس قدر جلیل القدر تھا کہ اس کے مقام کی وجہ سے اس پر خامو

ش رہناہی بہتر سمجھا، کسی نے کہا کہ جس پر امام بخاری خاموشی اختیار کریں وہ راوی ان کے نزدیک ثقہ ہے وغیرہ، یہ باتیں باطل و مردود ہیں۔ شیخ العرب والعجم امام بدیع الدین شاہ راشدی رحمہ اللہ اس پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں::"اس اصول کے بطلان کے لیے یہی کافی ہے کہ خود امام بخاری نے تاریخ میں متعدد ایسے راویوں پر سکوت کیا ہے جن پر انھوں نے اپنی دوسری کتابوں میں جرح کی ہے، مثلاً تاریخ میں انھوں نے حسب ذیل افراد کا ذکر کیا ہے:'' الحا رث بن نعما ن البثیی، اصلت بن مہرا ن التیمی، الکو فی ابو ہا شم، عبد اللہ بن معا ویہ، الزبیر بن عوا م الاسدی البصری، عبد اللہ بن محمد بن عجلا ن مو لی فا طمۃ بنت عتبۃ القر شی، عبدالرحمن بن زیا دہ بن انعم افریقی،عبد الو ھا ب بن عطا ء الخفا ف، عمر ان العمی، عا صم بن عبیداللہ العمری، معا ویہ الثقفی، ابو عبد الرحمن بصری، مختا ر بن نا فع ابو اسحا ق التیمی، نصر بن حما د بن عجلا ن، یحیی بن ابی سلیمان المدنی، یحیی بن محمد الجا ری،ان کے بارے میں انھوں نے کوئی کلام نہیں کیا نہ جرح کی، مگر ان کو الضعفاء میں ذکر کیا اور ان پر جرح کی"[1]

اس بحث پر ایک مفصل رسالہ (رواۃ الحدیث الذین سکت علیھم ائمۃ الجرح والتعدیل بین التو ثیق والتجھیل-از شیخ عد اب محمو د)ہے تفصیل کا طالب اس کتاب کی طرف رجوع کرے۔

) [1]نقض قوا عد علو م الحدیث ص :۲۱۴).

امام تر مذی کی تصحیح یاتحسین ِحدیث کا اعتبا ر نہیں:

کیونکہ امام ترمذی متساہل تھے اور کمزور حدیث کو صحیح یا حسن کہہ دیتے تھے، مثلاً ایک روایت جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات ایک قبر میں داخل ہوئے، چراغ کو جلایا گیا تو میت کو قبلہ کی طرف سے لے کر قبر میں اتارا گیا (سنن الترمذی:۱۰۵۷اس کو امام ترمذی نے حسن کہاہے) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ زیلعی حنفی لکھتے ہیں"اس کو حسن کہنے پر امام ترمذی کا انکار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں حجاج بن أرطاۃ مدلس ہے اور ابن قطان نے کہاہے کہ اس میں منہال بن خلیفہ ہے جس کو امام ابن معین نے ضعیف اور امام بخاری نے فیہ نظر کہاہے۔[1]

حافظ ذہبی فرماتے ہیں: تین راویوں کے ضعیف ہونے کے باوجود اس روایت کو امام ترمذی نے حسن کہاہے، لہذا ترمذی کی تحسین سے دھوکا نہ کھاؤ، تحقیق پر ان کی غالب حسن، ضعیف ہیں۔[2]

حافظ ذہبی ایک راوی پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: سیف بن محمد الثوری کذاب ہے۔ تعجب ہے کہ ترمذی اس کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ (الکا شف:۱/ ۳۶۸) بلکہ یہاں تک کہ ایک راوی کو خود ایک جگہ ضعیف کہہ رہے ہیں اور دوسری جگہ اس ضعیف راوی کی روایت کو خود حسن بھی کہہ دیتے ہیں مثلاً ایک روایت (۳۲۹۴) کو حسن غریب کہا پھر خود ہی دوسری جگہ

[1](نصب الرایہ :۲,۳۰۰). [2] (میزان الا عتدال :۴,۴۱۶)

(۲۵۴۸،۲۹۳۰) میں کہا کہ اس میں رشدین ضعیف راوی ہے۔

فائدہ: دکتور خالد بن منصور الدریس حفظہ اللہ نے "الحدیث الحسن لذاتہ ولغیرہ" کی جلد ثالث میں امام ترمذی کی تحسین پر تفصیلی نقد کیا ہے۔

رواۃ محدثین کی تاریخ وفات کا علم ہونا!

تخریج کے دوران میں راویوں اور محدثین کی تاریخِ وفات کا علم ہونا بہت ضروری ہے، اس سے بہت سے مسائل حل ہو جاتے ہیں۔

بعض رواۃ کی تاریخ وفات حسب ذیل ہیں:

الشعبی:۱۰۳۔ابن سیرین:۱۱۰۔حسن بصری:۱۱۰۔ھمام بن منبہ:۱۳۲۔ابو حنیفہ:۱۵۰۔معمر:۱۵۴۔اوزاعی:۱۵۷۔شعبہ:۱۶۰۔ثو ری ۱۶۱۔ابن طھمان ۳ ۱۶۔لیث بن سعد ۱۷۵۔مالک ۱۷۹۔ابن المبا رک:۱۸۱۔ھیثم ۱۸۳۔ابو یو سف:۸۳۔علی بن زیاد:۸۳،معا فی بن عمرا ن المرصی۳۶۰ھ علومِ حدیث و فن جر ح و تعدیل پر اہم کتب لشیخنا المحدث ارشادالحق الأثری حفظہ اللہ

ہمارے استاد محترم محدث ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی تمام کتب علوم حدیث اور قواعد جرح وتعدیل سے بھری ہے، اس کی اہم بحوث کی فہرست پیش خدمت ہے تاکہ اس سے استفادہ آسان ہو سکے۔ باذوق طالب علم شیخ محترم کی کتب میں سے توضیح الکلام، اعلاء السنن فی المیزان، مقالات جلد ۲،۱، اسباب اختلاف الفقہاء، تنقیح الکلام، اسلام اور موسیقی، مشاجرات صحابہ، مسلک احناف اور مولانا عبدالحی لکھنوی، امام بخاری پر بعض اعتراضات کا جائزہ، احادیث بخاری و مسلم میں پرویزی تشکیک کا علمی محاسبہ، آئینہ ان کو دکھایا تو برا مان گئے، مولانا سرفراز صفدر اپنی تصانیف کے آئینے میں، احادیثِ ہدایہ فنی و تحقیقی حیثیت، کتابتِ حدیث تا عہدِ تابعین، موضوع حدیث اور اس کے مراجع، الناسخ والمنسوخ، عدالت صحابہ، امام دارقطنی، صحائے ستہ اور ان کے مولفین، وغیرہ کی طرف رجوع کرے۔

اعلاء السنن فی المیزان میں علوم حدیث کی فہرست:

مسند امام احمد کی روایات مقبول ہیں؟ ۳۵

مسند ابی عوانہ کی حادیث ۳۹

امام ترمذی کی تحسین ۴۳

حدیث سے مجتہد کا استدلال ۴۸

امام ابو داد کا سکوت ۵۲

ایک عجیب غفلت ۶۲

دلچسپ تضاد ۶۷

امام نسائی کا سکوت ۷۱

فتح الباری میں حافظ ابن حجر کا سکوت ۷۴

التلخیص میں حافظ کا سکوت ۸۱

الدرایہ اور سکوت ابن حجر ۸۷

امام حاکم اور علامہ ذہبی کا سکوت ۸۹

علامہ عراقی کا سکوت، عجیب تضاد فکری ۹۵

امام ابو حنیفہ کے سب شیوخ ثقہ ہیں؟ ۹۶

امام صاحب کے چند اساتذہ ۹۸

ابان بن ابی عیاش ۹۸

نصر بن طریف ۱۰۶

جراح بن منہال ۱۰۸

محمد بن سائب کلبی ۱۰۷

محمد بن زبیر بصری ۱۰۹

طریف بن شہاب ۱۰۹

عمرو بن عبید ایک اور استاد ۱۱۷

قاضی ابو یوسف کے اساتذہ ۱۲۵

امام محمد شیبانی کے اساتذہ اور ان کا استدلال ۱۲۸

امام شعبہ کے شیوخ ۱۳۷

امام سفیان ثوری کے شیوخ ۱۴۱

امام طحاوی کا استدلال ۱۴۲

علامہ المنذری عن سے روایت کریں تو وہ حسن ہو گی؟ ۱۴۹

الترغیب میں عن سے دوسرا مقام ۱۵۸

الترغیب میں عن کی تیسری مثال ۱۶۸

چوتھی مثال ۱۶۹

امام ابن حزم کا استدلال ۱۷۰

علامہ ہیثمی کا سکوت ۱۸۴

علامہ سیوطی کی تحسین ۱۹۲

احادیث المختارۃ ۱۹۵

کنز العمال میں سکوت ۲۰۸

مختلف فیہ حدیث اور راوی ۲۳۴

مختلف فیہ کی دوسری مثال ۲۴۳

تیسری مثال ۲۴۴

چوتھی مثال ۲۴۵

پانچویں مثال ۲۴۶

مختلف فیہ کی چھٹی مثال ۲۶۱

ساتویں مثال ۲۶۳

آٹھویں مثال ۲۷۵

نویں مثال ۲۷۵

مدلس بھی مختلف فیہ ہے ۲۸۳

مختلف فیہ کی ایک اور مثال ۲۸۶

مختلف فیہ کا اصول اور امام زہری کی مراسیل ۲۸۸

امام ابن حبان کی توثیق کا حکم ۲۹۵

امام ابن حبان اور امام ابو حنیفہ ۲۹۷

ثقہ کی زیادت ۳۰۶

مستور راوی کی حدیث مقبول ۳۱۰

خیر القرون کے مستور و مجہول راوی اور امام ابو حنیفہ ۳۱۴

تدلیس وارسال عیب نہیں ۳۱۵

الولید بن مسلم ۳۱۸

ضعیف، متروک اور کذاب راویوں کا دفاع ۳۱۹

جابر بن یزید الجعفی ۳۱۹

حجاج بن ارطاۃ ۳۲۳

محمد بن عبید اللہ ۳۲۵

سلیمان بن داود شاذ کونی ۳۳۰

نضر بن عبد الرحمٰن الخزاز ۳۳۴

خارجہ بن مصعب ۳۳۷

حمید بن ابی جون اور موضوع روایت ۳۳۹

محمد بن حمید الرازی ۳۴۰

عبد الرحمن بن اسحاق الواسطی ۳۴۲

نوح بن ابی مریم ۳۴۶

لیث بن ابی سیلم ۳۵۰

بقیہ بن ولید ۳۲۵

ابو اسحاق السبعیی ۳۵۸

ایک لطیفہ ۳۵۹س

لیمان بن عمرو الجعفی ۳۶۱

محمد بن شجاع الثلجی ۳۶۴م

حمد بن اسحاق امام المغازی ۳۶۶

مروان بن سالم ۳۶۹

چند اصولی مباحث ۳۷۰

۱: ثقہ، مختلط سے روایت نہیں کرتا ۳۷۰

۲: ''علی یدی'' عدل کا مفہوم ۳۷۱

۳: مستور راوی یا مجہول ۳۷۴

مجہول کو مستور بنا کر کام نکال لیا ۳۷۴

۴: مقبول کی اصطلاح ۳۷۵

بعض دیگر مباحث ۳۷۶

بعض کتابوں کا غلط انتساب ۳۹۴

ضعیف سے استدلال کا مفہوم ۳۹۹

بے اصل روایت کا سہارا ۴۰۲

"ربما وھم" کا مفہوم ۴۰۴

"اسناد صحیح" کی حقیقت ۴۰۷

راوی کی تعیین میں سہو ۴۰۸

وجوب کا اطلاق ۴۱۲

موضوع حدیث کا دفاع ۴۱۵

مسلک کی تائید اور بے سند روایت ۴۱۹

مقالات شیخنا المحدث ارشاد الحق احفظہ اللہ

جلد (۱) سے علوم حدیث کی فہرست

کیا ائمہ اربعہ کا اجماع حجت ہے؟ ۹۸

تعامل سلف کی حیثیت ۱۰۶

کیا صحیحین کی روایت مقدم ہے؟ ۱۰۶

فقہاء کے مابین اختلاف کی نوعیت ۱۱۰

صحیح مسلم کی حدیث اور علامہ کوثری ۲۰۵

موضوع روایات سے استدلال ۲۴۳

اصول فقہ حنفی کی ایک روایت پر بحث ۲۳۸

کیا صرف ایک صحابی سے مروی روایت قابل اعتبار نہیں؟ ۲۳۸

ذہول اور نسیان قادح صحت نہیں ۲۳۹

تحت السرۃ کی حیثیت ۲۸۵

واقعہ معراج سے متعلق ایک روایت کی حیثیت ۲۹۶

عُلَمَاءُ اُمتِی کَاَنْبِیاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ ۲۹۶

حدیث حسن لغیرہ کی حجیت کے متعلق اشکالات اور ان کے جوابات

نظر ثانی: مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ مفتی عبدالولی خان حفظہ اللہ نے لکھا: ''میں نے محترم ابن بشیر الحسینوی حفظہ اللہ کا یہ مضمون پڑھا، ماشاء اللہ بہت تسلی اور قابل اعتماد ہے۔ اللہ تعالی مزید احقاقِ حق کی توفیق دے''۔

جب کوئی شخص ایک مفروضہ بنالیتاہے تو پھر اس کو ثابت کرنے کے لئے اپنی پوری کوشش کرتا ہے، عجیب وغریب اور بے بنیاد باتوں کا سہارا لینا اس کی مجبوری ہوتی ہے، کیونکہ وہ اپنے تئیں ان چیزوں کو صحیح سمجھتا ہے، اسی لئے ان کو بے دھڑک ہو کر پیش کرتا ہے حالانکہ وہ کشید کی ہوئی باتیں انتہائی کمزور ہوتی ہیں تحقیق کے میدان میں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ہم اپنے اس مقالے میں انھیں کمزور اشکالات وبے بنیاد باتوں کا علمی رد پیش کر رہے ہیں، صرف اصلاح مقصود ہے تاکہ غلطی میں مبتلا شخص کی اصلاح ہو سکے اور قارئین بھی ان کمزور شبہات واشکالات سے واقفیت حاصل کر سکیں۔

حسن لغیرہ:

ا: تعریف

اس کی جامع تعریف یہ ہے: '' اعتضا د روا یۃ ضعیفۃ قا بلۃ للا نجبا ربروا یۃ ضعیفۃ أ خر ی 'فأ کثر ھا قا بلۃ للا نجبار أیضاً'' ایسی ضعیف حدیث جو تقویت حاصل کرنے کے قابل ہو، ایسی ضعیف حدیث یا احادیث سے تقویت حاصل کرلے جو تقویت دینے کے لائق ہو۔[1]

اس میں ایک حدیث کی متعدد سندیں ہوتی ہیں اور ان کا ضعف شدید نہیں ہوتا، اس وجہ سے وہ حسن لغیرہ کے درجے تک پہنچ جاتی ہیں۔ اگر ضعف شدید ہے تو وہ حسن لغیرہ کے درجے تک نہیں پہنچتی۔ یہ بات اچھی طرح جالینی چاہیے کہ ائمہ محدثین کا یہی موقف ہے کہ حسن لغیرہ حجت ہے۔، ضعف خفیف اور ضعف شدید کے فرق کالحاظ رکھنا انتہائی ضروری ہے۔

۲: ضعیف روایت کثرتِ طرق کی وجہ سے اس وقت بھی حسن لغیرہ نہیں بنتی جب وہ اپنے سے اولی (مضبوط) کے مخالف ہو۔ مثلاً نماز میں رفع الیدین کرنے کی احادیث حد تواتر تک جا پہنچی ہیں، جن میں صحیحین کی روایات بھی ہیں، جبکہ ترکِ رفع الیدین کی روایات اثباتِ رفع الیدین کی احادیث کے مقابلے میں انتہائی کمزور بلکہ ساقط الاعتبار ہیں۔ تو حد تواتر پر پہنچنے والی اعلی درجے کی صحیح احادیث کے خلاف ضعیف اور ساقط الاعتبار روایات کو اپنے کثرتِ طرق کی بنا پر حسن لغیرہ قرار دینا ظلم عظیم ہے۔

۳: شاذ، شاذ سے مل کر حسن لغیرہ نہیں بنتی۔ جب ایک روایت شاذ ہے اور اس کی سندیں بھی زیادہ ہیں تو وہ شاذ ہی رہے گی، کثرتِ طرق کی وجہ سے حسن لغیرہ نہیں بن سکتی۔ امام ترمذی نے حسن کی تعریف میں یہ شرط لگائی ہے کہ وہ شاذ نہ ہو (العلل الصغیر للترمذی ص:۸۹۸) محدث ناصر الدین فرماتے ہیں: یہ ثابت ہو گیا کہ شاذ اور منکر حدیث کی ان مردود اقسام میں سے ہیں، جو کسی شمار میں نہیں، اس لیے اسے بطور شاہد پیش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اس کا وجود اور عدمِ وجود دونوں برابر ہیں۔[2]

[1](الحد یث الحسن لذا تہ ولغیر ہ للد کتو ر خا لد بن منصو ر الد ریس :۲۰۸۸،۵). [2] (صلاۃ التراویح للألبانی ص:۶۶)

حافظ محمد محدث گوندلوی لکھتے ہیں: "شاذ سے شاذ کو تقویت نہیں پہنچتی۔" (خیر الکلام ص:۴۱۸)اسکی مثال '' اذا قرأ فأنصتوا" ہے۔

محترم حافظ خبیب احمد الاثری لکھتے ہیں: حسن لغیرہ کے بارے میں بعض لوگ انتہائی غیر محتاط رویہ اپناتے ہیں، ان کے نزدیک ضعیف حدیث + ضعیف حدیث کی مطلق طور پر کوئی حیثیت نہیں، خواہ اس حدیث کے ضعف کا احتمال بھی رفع ہو جائے۔ بزعم خویش حدیث کے بارے میں ان کی معلومات امام ترمذی، حافظ بیہقی، حافظ عراقی، حافظ ابن حجرؒ وغیرہ سے زیادہ ہیں۔ حالانکہ یہ بداہتاً معلوم ہے کہ جس طرح رواۃ کی ثقاہت کے مختلف طبقات ہیں، اسی طرح ان کے ضعف کے بھی مختلف درجات ہیں۔ کسی راوی کو نسیان کا مرض لاحق ہے تو کسی پر دروغ بافی کا الزام ہے، بعض کے بارے میں محدثین کا فیصلہ ہے: " يُعْتَبَرْ بِهِمْ، يُكْتَبُ حَدِيْثُهُمْ۔" جبکہ بعض کے بارے میں " لَا يُعْتَبَرُ بِهِمْ، لَا يُكْتَبُ حَدِيْثُهُمْ۔" ہے۔

حسن لغیرہ کا مطلق طور پر انکار کرنے والے جس انداز سے متاخرین محدثین کی کاوشوں کو رائیگاں قرار دینے کی سعی نامشکور کرتے ہیں، اسی طرح متقدمین جہابذۂ فن کے راویان کی طبقہ بندی کی بھی ناقدری کرتے ہیں اور بایں ہمہ وہ فرامین نبویہ کی خدمت میں مصروف ہیں۔ إنا لله وإنا إليہ راجعون-[1]

[1](مقالات اثریہ از محمد خبیب احمد).

پہلا اشکال: بعض لوگ ضعیف + ضعیف کے اصول اور جمع تفریق کے ذریعے سے بعض روایات کو حسن لغیرہ قرار دیتے ہیں۔

جواب:

حسن لغیرہ کو ماننے والے جمہور علماء ہیں نہ کہ بعض لوگ، چنانچہ ذیل میں ہم ان علماء و محدثین کی طرف اشارہ کرتے ہیں:

1۔امام ترمذی

امام ترمذی کے علاوہ عام محدثین سے ایسی حسن لغیرہ روایت کا حجت ہونا ثابت نہیں۔(علمی مقالات 1/ 300)

معلوم ہوا کہ امام ترمذی حسن لغیرہ کو حجت سمجھتے ہیں۔والحمدللہ

2۔ امام بیہقی (معرفہ السنن والآثار 1/ 348، نصب الرایہ 1/ 93)

3۔ نووی (اربعین نووی حدیث نمبر32)

4۔ ابن الصلاح (مقدمۃ علوم الحدیث صفحہ 37)

5۔ امام ابن قطان (النکت علیٰ ابن الصلاح لابن حجر: صفحہ 126، طبع دار الکتب العلمیہ بیروت)

6۔ ابن رجب حنبلی (جامع العلوم والحکم صفحہ ٣٠٠)

7۔ ابن تیمیہ (مجموع الفتاوی 1/ 251)

8۔ ابن قیم (جلاء الافہام صفحہ 199)

9۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (فتح الباری(3/ 188)

10۔ ابن کثیر (اختصار علو م الحدیث صفحہ 50،49)

11۔ حافظ سخاوی (فتح المغیث)

12۔ سیوطی (تدریب الراوی1/ 160)

13۔ علامہ مناوی (شرح الجامع الصغیر 982، 137)

14۔ زرقانی (شرح الزرقانی1/ 68)

15۔ شمس الحق عظیم آبادی (عون المعبود 9/ 291)

16۔ عبدالرحمن مبارکپوری (مقدمۃ تحفۃ الأحوذی 152)

17۔ عبیداللہ مبارکپوری۔ (مرعاۃ: 2 صفحہ511)

18۔ طاہر الجزائری (توجیہ النظر 506)

19۔ امام ناصر الدین البانی۔

20۔ جمال الدین قاسمی (قواعد التحدیث صفحہ 66)

21- دکتور حمزه ملیبار ی (الموازنہ صفحہ 49)

22- محدث کبیر استاذ محترم ارشاد الحق اثری۔

23- غازی عزیز مبارکپوری (ضعیف احادیث کی شرعی حیثیت صفحہ 192)

24- امام العصر علامہ ابو اسحاق الحوینی (کشف المخبوء صفحہ 23)

25- الدکتور خالد بن منصور الدریس (آراء المحدثین فی الحسن لذاتہ ولغیرہ)

26- محدث حجاز عبدالمحسن العباد (شرح سنن ابی داود (133/15، 14/ 49، 3/ 345)

علاوہ ازیں سفیان بن عیینہ، شافعی، یحیٰی بن سعید قطان، محمد بن یحیٰی ذہلی، بخاری، ترمذی، دارقطنی، ابن ترکمانی، علائی، ذہبی، عراقی سے بھی حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت ہے۔ ان اقوال کی تفصیل کا طالب شیخ ابن ابی العینین کی کتاب'' القول الحسن'' کا مطالعہ کرے۔ جو علماء و محدثین حسن لغیرہ کو قابل عمل و احتجاج سمجھتے ہیں، ان کے ناموں کا ذکر کرنے کا مقصود صرف یہ تھا کہ جو کہے کہ'' بعض لوگ ضعیف + ضعیف کے اصول اور جمع تفریق کے ذریعے سے بعض روایات کو حسن لغیرہ قرار دیتے ہیں'' یہ باطل بات ہے، اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ حسن لغیرہ ائمہ و علماء کے نزدیک حجت ہے والحمدللہ

دوسرا اشکال:

لیکن حافظ ابن حزم اس اصول کے سخت خلاف تھے بلکہ زرکشی نے ابن حزم سے نقل کیا ہے: ''ولو بلغت طرق الضعیف ألفاً لا یقوی۔'' اور اگر ضعیف حدیث کی ہزار سندیں بھی ہوں تو اس سے روایت قوی نہیں ہوتی۔ اگرچہ زرکشی نے اسے شاذ اور مردود کہا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ یہی قول راجح اور صحیح ہے۔

یہ قول محمد احمد نے بھی اپنی کتاب ''الحدیث الحسن بین الحد والحجیۃ'' میں بطور دلیل پیش کیا ہے۔

جواب:

1- یہ قول بے سند ہے

2- امام زرکشی نے اس قول کو شاذ و مردود کہا ہے امام ابن حزم کے قول کی تردید کے لیے امام زرکشی کی عبارت ہی کافی ہے۔

تیسرا اشکال:

حسن لغیرہ کے مسئلے پر عمرو بن عبدالمنعم بن سلیم کی کتاب

''الحسن بمجموع الطرق فی میزان الاحتجاج بین المتقدمین والمتأخرین'' بہت مفید ہے۔

جواب: قارئین سے گزارش ہے کہ اس مسئلے پر راہِ انصاف کو پانے کے لیے مندرجہ ذیل کتب بھی ملاحظہ فرمائیں، جن میں مذکورہ بالا کتاب اوراس مسئلے پر شبہات کا جائزہ لیا گیا ہے:

1- القول الحسن فی کشف شبهات حول الاحتجاج بالحديث الحسن مع تصويب الأسنة لصد عدوان المعترض على الأئمة للشيخ ابن أبى العينين۔

2- الرد على كتاب الحسن بمجموع الطرق فی ميزان الاحتجاج بين المتقدمين والمتأخرين للشيخ أبى المنذر المنياوى۔

3- الحديث الحسن لذاته ولغيره للدكتور خالد بن منصور الدريس۔

4- مناهج المحدثين فی تقوية الأحاديث الحسنة والضعيفة للدكتور المرتضىٰ زين أحمد۔

5- مقالہ حسن لغیرہ لمحمد خبیب أحمد الاثری[1]

چوتھا اشکال: کیا ابن قطان کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں؟

حافظ ابن القطان الفاسی نے حسن لغیرہ کے بارے میں صراحت کی ہے کہ ''لايحتج به كله بل يعمل به فی فضائل الأعمال۔'' اس ساری کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاتی، بلکہ فضائلِ اعمال میں اس پر عمل کیا جاتا ہے۔[2]

[1](مقالات اثریہ جلد ۱). [2] (النكت على كتاب ابن الصلاح 1/ 402).

حافظ ابن حجر نے اس قول کو حسن قوی یعنی اچھا مضبوط قرار دیا ہے۔

جواب:

1- پہلے امام ابن قطان کا مکمل قول ملاحظہ ہو:

''لايحتج به كله، بل يعمل به فی فضائل الأعمال، ويتوقف عن العمل به فی الأحكام إلا إذا كثرت طرقه أوعضده اتصال عمل أو موافقة شاهد صحيح أو ظاهر القرآن۔''[1]

اس ساری کے ساتھ حجت نہیں پکڑی جاسکتی البتہ فضائل اعمال میں اس کے ساتھ عمل کیا جاسکتا ہے اوراحکام میں اس کے ساتھ عمل میں توقف کیا جاتا ہے مگر جب اس کے طرق زیادہ ہوں یا اس کو مضبوط کرے کوئی متصل عمل، صحیح شاہد یا قرآن کے ظاہر کا اس کے ساتھ موافقت کرنا۔ امام ابن قطان تو کہہ رہے ہیں کہ اگر کثرت طرق ہوں تو عمل کیا جائے گا. انصاف شرط ہے کوئی بھی عالم دین اس مکمل قول کو پڑھے تو فوراً سمجھ جائے گا کہ امام ابن قطان تو حسن لغیرہ کا حجت ہونا ثابت کررہے ہیں اور ابن حجر نے بھی جو اس قول کو اچھا اور قوی قرار دیا ہے تو انھوں نے بھی حسن لغیرہ کا حجت ہونا مراد لیا ہے۔

2- کئی علماء نے ابن قطان کی عبارت کو حسن لغیرہ کی حجیت میں ذکر کیا ہے۔ مثلاً امام سخاوی (فتح المغيث، ص49) طاہرالجزائری (توجيه النظرصفحه 506) جمال الدين قاسمی (قواعد التحديث صفحه 66) دكتور حمزه

ملیباری(الموازنہ، صفحہ 49) علامہ ابواسحاق الحوینی (کشف المخبوء، صفحہ 23) غازی عزیز مبارکپوری (ضعیف احادیث کی شرعی حیثیت صفحہ 193)[1]لیکن عجیب بات ہے کہ بعض لوگ امام ابن قطان کا مکمل قول نقل کرنے کی بجائے اسے آدھا نقل فرما

[1](النکت لابن حجر 402.)

کر اس سے اپنا مطلب کشید کر رہے ہیں!!

پانچواں اشکال: حافظ ابن حجرکے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں۔

جواب: حافظ ابن حجر کی کتب کا مطالعہ کرنے والا طالب علم بھی اس بات کی شہادت دے گا کہ حافظ ابن حجر حسن لغیرہ کو حجت سمجھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جب سیئی الحفظ کی کسی ایسے قابل اعتبار راوی سے تائید ہو رہی ہو کہ وہ اس راوی سے بڑھ کر ہو یا کم از کم اس جیسا ہو اس سے کم تر نہ ہو تو ان کی حدیث حسن ہو جائے گی، مگر حسن لذاتہ نہیں ہو گی، بلکہ اس کا حسن بننا متابع کے مجموعے سے ہو گا۔[1]

چھٹا اشکال: کیا حافظ ابن کثیرؒ کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں؟

حافظ ابن کثیر نے فرمایا: مناظرے میں یہ کافی ہے کہ مخالف کی بیان کردہ سند کا ضعیف ہونا ثابت کر دیا جائے، وہ لاجواب ہو جائے گا کیونکہ اصل یہ ہے کہ دوسری تمام روایات معدوم ہیں الا کہ دوسری سند سے ثابت ہو جائیں۔[2]

جواب:

1۔ حافظ ابن کثیر کے اس قول کا حسن لغیرہ کی حجیت اور عدمِ حجیت سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ ہر شخص بآسانی اصل کتاب کی طرف مراجعت کرنے کے بعد معلوم کر سکتا ہے۔2۔ حافظ ابن کثیر (اختصار علوم الحدیث: صفحہ 49، 50) میں نقل کرتے ہیں:

ومنہ ضعفٌ یزول بالمتابعۃ، کما إذا کان راویہ سیىء الحفظ، أو روی الحدیث

) [1]النزھۃ، ص 48، النکت ص 139). [2] (اختصار علوم الحدیث:1ء 274، 275نوع22)

مرسلاً، فإن المتابعۃ تنفع حینئذٍ، و یرفع الحدیث فی حیز الضعف إلٰی أوج الحسن أو الصحۃ۔ واللہ أعلم

بعض ضعف متابعت سے زائل ہو جاتا ہے، جیسا کہ راوی سیی ءالحفظ (برے حافظے والا) ہو یا حدیث مرسل ہو تو اس وقت متابعت فائدہ دیتی ہے اور حدیث ضعف کی گہرائیوں سے بلند ہو کر حسن یا صحیح کے درجے کو پہنچ جاتی ہے۔[1]

معلوم ہوا کہ ابن کثیر تو ابن الصلاح کے اس قول کو حسن لغیرہ کی حجیت میں نقل کر رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابن کثیر کا اپنا موقف بھی یہی ہے کہ حسن لغیرہ حجت ہے۔

ساتواں اشکال:

بسا اوقات کسی ضعیف حدیث کی متعدد سندیں ہوتی ہیں یا اس کے ضعیف شواہد موجود ہوتے ہیں، مگر اس کے باوجود محدثین اسے حسن لغیرہ کے درجے میں نہیں لاتے۔ جواب: حسن لغیرہ کی عدمِ حجیت کے بارے میں سب سے بڑی دلیل یہی ہے اور اسی سے وہ لوگوں کو مغالطہ دیتے ہیں۔ کثرتِ طرق کے باوجود حدیث کو مقبول نہ ماننے کی وجوہات کا بیان۔

عدمِ تقویت کے اسباب:

ایسی حدیث کے حسن لغیرہ نہ ہونے میں پہلا سبب یہ ہے کہ ناقد سمجھتا ہے کہ اس حدیث کو بیان کرنے میں شاید حدیث کے کسی راوی نے غلطی کی ہے، لہٰذا غلط متابع یا غلط شاہد ضعف کے احتمال کو رفع نہیں کر سکتے۔ اسے یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ ایک حدیث کی دو سندیں ہیں، اس کی ایک سند کے راوی کے بارے میں راجح یہ ہے کہ اس نے سند یا متن میں غلطی کی ہے، یعنی وہ دوسروں کی

[1](اختصار علوم الحديث اردو 29 طبع مكتبه اسلاميه لاہور)

مخالفت کرتا ہے، یا اس سے بیان کرتے ہوئے راویان مضطرب ہیں تو ایسی سند دوسری سند سے مل کر تقویت حاصل نہیں کر سکتی۔ اسے تطبیقی انداز میں یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ امام حاکم نے سفیان بن حسین عن الزہری کی ایک مرفوع حدیث بیان کی ہے، پھر اس کا مرسل شاہد (ابن المبارک عن الزہری) ذکر کیا، اس مرفوع حدیث میں جس ضعف کا شبہ تھا، اسے مرسل حدیث سے دور کرنے کی کوشش کی۔ (المستدرک1/ 392) مگر حافظ ابن حجر اس مرفوع حدیث کو اس مرسل روایت سے تقویت دینے کے قائل نہیں کیونکہ سفیان بن حسین، امام زہری سے بیان کرنے میں متکلم فیہ ہے، بنابریں اس نے یہ روایت امام ابن المبارک کے برعکس مرفوع بیان کی ہے، حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ''بل هو علته۔''[1]

کہ ابن المبارک کا اس حدیث کو زہری سے مرسل بیان کرنا سفیان کی غلطی کی دلیل ہے، لہٰذا یہ روایت مرسل ہی راجح ہے اور وہ مرفوع کو تقویت نہیں دیتی، کیونکہ اس کا مرفوع بیان کرنا غلط ہے۔ ذرا غور کیجیے! امام حاکم ایک حدیث کو متاخرین کی اصطلاح کے مطابق حسن لغیرہ قرار دے رہے ہیں، اسی حدیث کو حافظ ابن حجر مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف قرار دے رہے ہیں، کیونکہ حافظ صاحب کے نزدیک مرفوع بیان کرنا غلطی ہے، جس کی وجہ مرسل روایت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ محدثین کسی حدیث کو حسن لغیرہ قرار دینے کے لیے قرائن کو پیشِ نظر رکھتے ہیں، جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بھی تغلیق التعلیق میں ذکر کیا ہے، ضعیف + ضعیف کو مطلق طور پر حسن لغیرہ قرار دینا محدثین کا منہج نہیں ہے۔ بسا اوقات کوئی محدث کسی حدیث کو تقویت دینے میں وہم کا شکار ہو جاتا ہے جو استثنائی صورت ہے، اس سے حسن لغیرہ کے حجت ہونے میں قطعی طور پر زد نہیں پڑتی، کسی حدیث کے حسن

[1](تغليق التعليق لابن حجر: 3/ 17)

لغیرہ ہونے یا نہ ہونے میں محدثین کا اختلاف ہوتا ہے، حقائق بھی اس کے مؤید ہیں، مگر ان سب کے باوجود محدثین حسن لغیرہ کی حجیت کے قائل ہیں۔ کسی حدیث کو حسن لغیرہ قرار دینا ایک اجتہادی امر ہے، جس میں صواب اور غلط دونوں کا امکان ہوتا ہے، جس طرح راویان کی توثیق و تجریح بھی اجتہادی امر ہے، اسی طرح غلط اور صحیح کا تعین بھی اجتہادی معاملہ ہے، جس کا فیصلہ قرائن کے پیش نظر ہوتا ہے۔

تیسرا سبب: ضعیف راوی کا تفرد

جس ضعیف حدیث کو بیان کرنے میں راوی اپنے شیخ سے منفرد ہو تو محدثین ایسے تفرد کو قابلِ تقویت نہیں سمجھتے، مثلاً وہ کسی مشہور سند سے کوئی ایسی منفرد حدیث بیان کرتا ہے جو اس شیخ کے مشہور شاگرد بیان نہیں کرتے یعنی وہ امام زہری یا امام سفیان ثوری جیسے شیخ سے روایت بیان کرنے میں منفرد ہے۔ ایسی صورت میں محدثین زیادۃ الثقہ کو مطلق طور پر قبول نہیں کرتے، چہ جائیکہ وہ زیادۃ الضعیف کو تقویت دیں۔

جب ضعیف راوی کسی مشہور سند سے حدیث بیان کرنے میں منفرد ہو گا تو اس کی غلطی کا قوی یقین ہو جائے گا یا یہ تصور کیا جائے گا کہ اسے کسی اور روایت کا شبہہ ہے، یا اس کی حدیث میں دوسری حدیث داخل ہو گئی ہے یا اسے وہم ہوا کہ اس سند سے یہ متن مروی ہے یا اسے تلقین کی گئی تو اس نے قبول کر لی یا اس کی کتاب وغیرہ میں حدیث داخل کر دی گئی اور وہ اس سے بے خبر رہا۔

چوتھا سبب: جب ایک سے زائد سببِ ضعف ہوں

جب حدیث کی کسی سند میں ایک سے زائد سبب ضعف ہوں مثلاً روایت میں انقطاع بھی ہے اور راوی بھی ضعیف ہے، یا اس میں دو راوی ضعیف ہیں تو بسا اوقات محدثین ایسی سند کو قبول نہیں کرتے، کیونکہ اس میں شاہد بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی۔ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: یہ حدیث غریب ہے، امام حاکم نے "الإکلیل" میں اسے اسی طرح بیان کیا ہے۔ علی بن قادم، اس کا استاذ (ابو العلاء خالد بن طہمان) اور اس کا استاد (عطیہ) کوفی اور شیعہ ہیں، ان میں کلام ہے، ان میں سب سے زیادہ ضعیف عطیہ ہے، اگر اس کی متابعت ہوتی تو میں اس حدیث کو حسن (لغیرہ) قرار دیتا۔[1]

حافظ ابن حجر نے اس کے بعد اس کے شواہد بیان کیے ہیں، مگر اس کے باوجود اس حدیث کو حسن لغیرہ قرار نہیں دیا، کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں ایک سے زائد وجہ ضعف ہے۔ ملاحظہ ہو: [2]

دیگر اسبابِ ضعیف:

بعض ایسے ضعف کے اسباب ہوتے ہیں جن کی وجہ سے حدیث میں شاہد بننے کی صلاحیت نہیں ہوتی اور یہ اسباب متعدد ہیں جن کا شمار مشکل ہے، تاہم ذیل میں چند اسباب بیان کیے جاتے ہیں: 1۔ اگر سند میں مبہم راوی ہو، اس کا شاگرد اپنے اساتذہ سے بیان کرنے میں احتیاط نہ کرتا ہو تو ایسی روایت متابع یا شاہد نہیں بن سکتی۔

2۔ سند میں راوی کی کنیت مذکور ہو اور معلوم نہ ہو کہ وہ کون ہے؟

3۔ اس میں متروک اور انتہائی کمزور راویوں کی منقطع اور مرسل روایات بھی داخل ہیں۔ 4۔ جب ضعیف راوی کسی حدیث کو مرسل بیان کر دے، مثلاً امام دارقطنی فرماتے ہیں: ابن بیلمانی ضعیف ہے، جب وہ موصول حدیث بیان کرے تو وہ حجت نہیں، جب وہ مرسل بیان کرے تو کیسے حجت ہو سکتا ہے؟[1]

[1] (موافقة الخُبر الخَبر1/ 245). [2] (موافقة الخُبر الخَبر 1/ 247/245).

آٹھواں اشکال: غلط، غلط کو تقویت نہیں پہنچا سکتا۔ متقدمین محدثین بعض احادیث کے متعلق کہہ دیتے ہیں: ''کلها ضعيفة يا أسانيدها كلها معلولة'' وغیرہ، ان سے حسن لغیرہ کو حجت نہ سمجھنے والے استدلال کرتے ہیں، حالانکہ ان راویات میں راوی کی کئی اغلاط ہوتی ہیں۔
جواب: اس حوالے سے امام ناصر الدین رقمطراز ہیں: ''ان الشاذ والمنكر مردود، لأنه خطأ والخطأ لا يتقوى به۔''شاذ اور منکر قابلِ ردّ ہے، کیونکہ وہ غلط ہے اور غلط سے تقویت حاصل نہیں کی جاسکتی۔ نیز فرمایا: '' وما ثبت خطأ ه فلا يعقل أن يقوى به رواية أخرى فی معناہا، فثبت أن الشاذ والمنكر مما لا يعتد به ولا يستشهد به، بل إن وجوده وعدمه سواء۔'' '' جس (سند یا متن) کا غلط ہونا ثابت ہو جائے تو یہ معقول نہیں کہ اس کے ہم معنی روایت اسے تقویت پہنچائے گی۔ اس سے ثابت ہوا کہ شاذ اور منکر حدیث کی وہ اقسام ہیں جو کسی قطار وشمار میں نہیں اور نہ انھیں بطورِ شاہد پیش کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کا وجود اور عدم وجود دونوں برابر ہیں۔''[1] اسی لیے تو امام احمدؒ نے فرمایا کہ '' والمنكر أبدا منكر'' کہ منکر روایت ہمیشہ منکر ہی رہتی ہے۔[2]

اسی بات کو شیخ طارق بن عوض اللہ نے اپنی کتاب '' الإرشادات فی تقوية الأحاديث بالشواهد والمتابعات ''کے مقدمہ میں بڑے بسط سے بیان کیا ہے۔[3]

ا: محدث یمن مقبل بن ہادی کے نزدیک حسن لغیرہ کی حجیت

علامہ مقبل بن ہادی کی متقدمین کے متعلق ایسی عبارتیں نقل کرنا کہ تحقیقِ حدیث میں متقدمین کی تحقیق معتبر ہے اور اس سے نتیجہ یہ نکالنا کہ جب متقدمین کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں تو ان کی بات ہی مانی جائے گی، درست نہیں۔

حسن لغیرہ کا انکار کرنے والے کے بارے میں یمن کے عظیم محدث علامہ مقبل بن ہادی فرماتے ہیں: ''أما الذين يردون الحسن لغيره، فإن كان فی بعض المواضع أداهم اجتهادهم، وهم أهل لذلک، إلى أن الحديث لا يرتقى إلى الحسن لغيره فلهم ذلک، وأما رده بالكلية فهذه خطوة إلى رد السنن۔'' (القول الحسن، ص:7) جو لوگ حسن لغیرہ حدیث کو رد کرتے ہیں اگر بعض مواقع پر ان کا اجتہاد، بشرطیکہ وہ اجتہاد کے اہل بھی ہوں، یہ ہو کہ یہ حدیث درجہ حسن لغیرہ کو نہیں پہنچتی تو ان کو یہ حق حاصل ہے۔ رہی یہ بات کہ بالکلیہ حسن لغیرہ حدیث کو رد کیا جائے تو یہ سنتوں کو ٹھکرا دینے کی طرف ایک قدم ہے۔

اس قول سے آپ اندازہ لگائیں کہ محدث یمن علامہ مقبل بن ہادی کتنے سخت خلاف ہیں ان لوگوں کے جو حسن لغیرہ کو حجت نہیں مانتے، حالانکہ وہ متقدمین کے علم وفضل کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں۔ ایک جگہ پر لکھتے ہیں: و نحن ما نظن أن المتأخرين يعثرون على ما لم يعثر عليه المتقدمون اللهم إلا فی النادر۔[1]

[1](أسئلة فی المصطلح، السؤال20)

ہمارا نہیں خیال کہ متاخرین اس بات پر اطلاع پالیں جس پر متاخرین اطلاع نہ پاسکے ہوں، ہاں کبھی کبھار ایسا ہو سکتا ہے۔ نیز ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

أرونی شخصا يحفظ مثل ما يحفظ البخاری، أو أحمد بن حنبل، أو تكون لہ معرفۃ بعلم الرجال مثل يحيیٰ بن معين، أو لہ معرفۃ بالعلل مثل علی بن المدينی، والدارقطنی، بل مثل معشار الواحد من ہولاء، ففرق كبير بين المتقدمين والمتأخرين۔ (أيضا)

مجھے ایک ایسا شخص دکھائیں جو امام بخاری یا امام احمد بن حنبل کی طرح کا حافظہ رکھتا ہو یا اسے امام یحییٰ بن معین کی طرح علم رجال کی معرفت ہو یا اسے امام علی بن مدینی اور امام دار قطنی کی طرح علل حدیث کی معرفت ہو، بلکہ ان کے عشر عشیر کے برابر بھی موجودہ دور میں کوئی نہیں۔ لہٰذا متقدمین اور متاخرین میں بہت فرق ہے۔ اس سے ہر منصف مزاج شخص بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ متقدمین کے علوم وفنون کے اس قدر اعتراف کے باوجود بھی وہ کہتے ہیں کہ حسن لغیرہ کو مطلقاً حجت نہ سمجھنے والا شخص سنتوں کو ٹھکرانے والا ہے۔ تو اب آپ غور کریں:

1۔ کیا علامہ مقبل بن ہادیؒ متقدمین کو سنتوں کا ٹھکرانے والا کہہ رہے ہیں؟

2۔ کیا وہ ایک جگہ متقدمین کو لیتے ہیں (کہ ان کی بات ہی معتبر ہے) اور دوسری جگہ (حسن لغیرہ کی عدم حجیت) ان کو چھوڑ رہے ہیں؟

3۔ علامہ مقبل بن ہادی اپنے شاگرد ابن ابی العینین کی کتاب "القول الحسن" کے متعلق لکھتے ہیں:

فقد اطلعت على جل كتاب أخينا فی الله الشيخ أحمد بن إبراهيم بن أبی العينين، الذی كتبہ فی الحديث الحسن، فوجدت الكتاب قد اشتمل على فوائد تشد لها الرحال، فلله در من باحث، لقد أعطاه الله صبرا و فہما ودرايۃ، فلا يخرج من البحث إلا بنتائج طيبۃ مفيدة لطالب العلم۔[1]

نیز اسی کتاب کے متعلق لکھتے ہیں:

وأخيرا فقد كفانا أخونا فی الله الشيخ أحمد بن أبی العينين الرد على هؤلاء وأولئک، فجزاه الله خيرا۔ [2]

4۔ اسی کتاب میں سفیان ثوری، سفیان بن عیینہ، شافعی، یحییٰ بن سعید القطان، احمد بن حنبل، ترمذی، ابن عدی، محمد بن یحییٰ الذہلی، بخاری، ابو حاتم الرازی، نسائی، ابو داود السجستانی، دارقطنی وغیرہم کے اقوال ونصوص کی روشنی میں ائمہ متقدمین کے نزدیک حدیث حسن لغیرہ کی حجیت کا اثبات کیا گیا ہے، بلفظ دیگر علامہ مقبل بن ہادی کے نزدیک بھی متقدمین کے ہاں حسن لغیرہ حجت ہے۔ والحمد للہ

نواں اشکال: حسن لغیرہ کا حجت ہونا متقدمین سے ثابت نہیں ہے۔

جواب:

1۔ یہ بات کئی وجوہات کی بنا پر درست نہیں ہے۔ محدث سندھ شیخ الاسلام محب اللہ شاہ راشدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لیکن میرے محترم یہ کوئی کلیہ تو نہیں کہ متقدم جو بھی کہے وہ صحیح ہوتا ہے اور جو ان سے متاخر کہے وہ صحیح نہیں ہوتا۔[3]

[1](مقدمۃ القول الحسن ص: 5). [2] (أيضا ص:8). [3] (مقالات راشديہ ج1ص: 332)

نیز فرماتے ہیں: کسی کا زمانے کے لحاظ سے متقدم ہونا یہ کوئی دلیل نہیں کہ جو ان سے زمناً متاخر ہو اس کی بات صحیح نہیں۔ اعتبار تو دلائل کو ہے نہ کہ شخصیات کو۔(ایضا333)

نیز کہا: تو کیا آپ ایسے سب رواۃ (جن کی حافظ صاحب نے توثیق فرمائی اور ان کے بارے میں متقدمین میں سے کسی کی توثیق کی تصریح نہیں فرمائی) کے متعلق یہی فرمائیں گے کہ ان کی توثیق مقبول نہیں یہ ان کا اپنا خیال ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو اس طرح آپ اس جلیل القدر حافظ حدیث اور نقد الرجال میں استقراء تام رکھنے والے کی ساری مساعی جمیلہ پر پانی پھیر دیں گے۔ آپ خود ہی سوچیں کہ جناب کے اس نہج پر سوچنے کی زد کہاں کہاں تک پہنچ کر رہے گی۔[1]

2۔ فضیلۃ الشیخ ابن ابی العینین فرماتے ہیں، جس کا خلاصہ درج ذیل ہے: بعض طلبہ جنھوں نے ماہر شیوخ سے بھی نہیں پڑھا، وہ بعض نظری اقوال لے کر اپنے اصول و قواعد بنا رہے ہیں اور وہ کبار علماء سے اختلاف کرتے ہیں۔ انھوں نے باور کرانے کی کوشش کی ہے کہ ہم متقدمین کے پیروکار ہیں اور انھوں نے متاخرین کے منہج کو غلط قرار دیا ہے۔[2]

3۔ متقدمین کی حسن لغیرہ کے متعلق کون سی بحثیں ہیں، جن کے خلاف متاخرین نے اصول وضع کیے ہیں؟!

4۔ متاخرین نے علم متقدمین ہی سے لیا ہے اور وہ انھیں کے انداز سے اصول متعین کرتے ہیں۔ فائدہ: باطل روایت کی خواہ جتنی بھی سندیں ہوں وہ باطل ہی رہے گی حسن لغیرہ نہیں بن سکتی، اس کی مثال قصہ غرانیق ہے، اس روایت کو محدثین و محققین نے باطل کہا ہے مثلاً امام الائمہ امام ابن

[1](ایضا 335). [2] (القول الحسن:103)

خزیمہ نے کہا کہ یہ زنادقہ (مجوسیوں اور پارسیوں) کا گھڑا ہوا قصہ ہے۔ (مفاتیح الغیب للرازی: ۲۳/۵۰) علامہ ابو بکر ابن العربی نے دس اسباب کی بنا پر اسے باطل قرار دیا ہے (احکام القرآن: ۲/۷۴،۷۵) علامہ رازی نے ائمہ فن سے اس کا باطل اور من گھڑت ہونا نقل کیا ہے (تفسیر الرازی: ۲۳،۵۰) جو بات باطل اور من گھڑت ہو وہ حسن لغیرہ کبھی نہیں ہو سکتی فافهم

محدثین کا اسماعیل بن ابی خالد کے عنعنہ کو قبول کرنا:

متعدد متقدمین محدثین نے اسماعیل بن ابی خالد کے بدونِ تدلیس عنعنہ کو قبول کیا ہے لیکن ہمارے اساتذہ کرام میں سے بعض علماء ان کی عن والی روایات کو ضعیف کہتے ہیں، مثلاً دیکھئے:اسماعیل بن ابی خالد عنعن وھو مدلس (طبقات المدلسین:362 وھو من الثالثۃ) [1]

منہج متقدمین اور منہج متاخرین!

حسن لغیرہ کے مسئلے میں کہاجاتا ہے کہ متقدمین کو لیاجائے گا، لیکن دیگر مقامات پر اپنے غلط اصول کے مقابلے میں متقدمین کی ہی بڑے زور سے مخالفت کی جاتی ہے اس پر ہمارے پاس متعدد مثالیں ہیں۔

تحقیق حدیث میں متقدمین کی مخالفت کی مثال

1 داڑھی کے خلال کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:ہٰکذا اَمرنی ربی مجھے میرے رب نے اسی طرح حکم دیا ہے۔اس کے متعلق لکھا گیا:" اسنادہ ضعیف۔ولید بن زوران:لیّن الحدیث (تق:7423)وللحدیث شاہد ضعیف عندا لحاکم (ج1ص149،ح529)فیہ الزہری مدلس (طبقات المدلسین:102-3)و عنعن"[1]

جواب:

تو آیئے جو علتیں اشکال میں بیان کی گئی ہیں،ان کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔

ہم بڑے ادب سے عرض کرناچاہتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے ضعیف کہنا درست نہیں ہے اس اجمال کی تفصیل درج ذیل ہے۔ولید بن زوران حسن الحدیث راوی ہے،کیونکہ امام ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے(ج7ص550)اور حافظ ذھبی نے بھی اسے ثقہ کہا ہے۔[2]

انوار الصحیفہ کے مقدمہ میں ایک قاعدہ ذکر کیا گیا ہے کہ:" لکن وثقہ المتساہلان فصاعدا ولم یضعفہ احد فھو حسن الحدیث عندی" (مقدمہ انوار الصحیفہ:ص6)لیکن جس راوی کو دو متساہل محدثین یازیادہ ثقہ قرار دیں اور اس کو کسی نے ضعیف بھی نہ کہا ہو تو وہ میرے نزدیک حسن الحدیث ہے۔

اس قاعدے کے تحت بھی یہ راوی حسن الحدیث ہوا،کیونکہ اس کو دو محدثین ثقہ کہہ رہے ہیں اور کسی نے ان کو ضعیف نہیں کہا۔صاحب انوارالصحیفہ نے اس راوی کے بارے میں حافظ ابن حجر کا قول نقل کیا کہ یہ راوی لین الحدیث ہے اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ خود اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں: اسنادہ حسن لان الولید وثقہ ابن حبان ولم یضعفہ احد وتابعہ علیہ ثابت البنانی عن انس رضی اللہ عنہ۔(النکت علی ابن الصلاح: ج1ص423)اس کی سند

) [1]انوار الصحیفۃ فی الاحادیث الضعیفۃمن السنن الاربعۃ ص19ح145). [2] (الکاشف:6064.(

حسن درجے کی ہے،کیونکہ ولید کو امام ابن حبان نے ثقہ کہا ہے۔کسی نے بھی ان کو ضعیف نہیں کہااور ثابت البنانی نے ان کی متابعت کی ہے۔ محترم کا یہ کہنا کہ اس کا ایک شاہد بھی ہے اور اس کی سند میں زہری مدلس ہیں اور وہ عن سے بیان کر رہے ہیں۔تو عرض ہے کہ سلف وخلف محدثین میں سے کسی نے بھی اس حدیث کو زہری کے عن سے بیان کرنے کی وجہ سے ضعیف نہیں،کہابلکہ محدثین تو اس حدیث کو صحیح کہہ رہے ہیں مثلا:

ا:امام حاکم نے کہا:اسنادہ صحیح(المستدرک:ج1ص276):

۲:امام ضیاء مقدسی نے کہا:اسناده صحیح (الاحادیث المختاره:ج3ص169،ح2710)

۳:امام ابن قطان الفاسی نے کہا:ہذاالاسناد صحیح (بیان الوہم والایھام:ج5ص220)

۴:حافظ نووی نے کہا:اسناده حسن او صحیح(المجموع:ج1ص376)

۵:حافظ ذہبی نے کہا:صحیح(تلخیص المستدرک ج1ص276)

۶:حافظ ابن قیم نے کہا:ہذا اسناد صحیح: تہذیب سنن ابی داود:ج1ص76)

۷:حافظ ابن حجر نے کہا:اسناده حسن(النکت:ج1ص423)

۸:علامہ عبدالروف المناوی نے کہا:حسن(التیسیر بشرح الجامع الصغیر ج2ص276)

۹:علامہ حمدی بن عبدالمجید السلفی نے کہا:صحیح(تحقیق مسند الشامیین ج3ص6)

۱۰:امام ناصر الدین نے کہا:صحیح (ارواء الغلیل ج1ص130)

۱۱: علامہ ابو عبیدہ مشہور حسن نے کہا:والحدیث صحیح(تحقیق المجالسہ وجواہر العلم ج3ص323ح949) تلک عشرة کاملة ولدینا مزید۔

اس بحث سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث سلف وخلف محدثین کے ہاں صحیح ہے اور یہی حق ہے۔امام ابن شہاب زہری کے عن سے بیان کرنے کی وجہ سے کسی نے اس کو ضعیف نہیں کہا۔جب ایک حدیث کو محدثین صحیح کہہ رہے ہیں تو اس کو صحیح مانا جائے گا وہ ہم سے کہیں زیادہ تحقیقِ حدیث کے ماہر تھے۔''انوار الصحیفہ فی الاحادیث الضعیفة من السنن الاربعة'' نامی کتاب میں پچاس سے زیادہ احادیث کو صرف اس وجہ سے ضعیف قرار دیا گیا ہے کہ ان کی سند میں امام ابن شہاب زہری ہیں اور صیغہ عن سے بیان کر رہے ہیں۔ایک مقام پر لکھا گیا: اگرچہ اس کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں مگر یہ سند زہری رحمہ اللہ کے عنعنہ کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ ان پر تدلیس کا الزام ثابت ہے لہذا اس اثر کے ذکر کرنے سے اجتناب کر رہا ہوں، کیونکہ یہ میری شرط پر نہیں ہے۔واللہ اعلم۔[1]

جواب:حدیث کی صحت وضعف کا مدار محدثین کی شروط پر ہے۔اگر کوئی حدیث ان کی شروط پر صحیح ہے تو وہ صحیح سمجھی جائے گی۔کسی حدیث کا آج کے کسی عالم دین کی اپنی بنائی ہوئی شرط پر اترنا کوئی ضروری نہیں۔محدثین امام زہری کی عن والی حدیث کو صحیح سمجھتے تھے،یعنی زہری کا عنعنہ محدثین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔اس کا اعتراف بھی ملاحظہ فرمائیں: خلیفہ رابع امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی ظہر وعصر کی نمازوں میں فاتحہ خلف الامام کا حکم مروی ہے جسے امام دارقطنی،امام حاکم،امام بیہقی اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے۔[2]

محدثین کی شرط پر صحیح ہے پر اس کے متعلق کہنے والوں نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ اس کے تمام راوی صحیحین کے راوی ہیں مگر یہ سند زہری رحمہ اللہ کے عنعن کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ ان پر

([1]الکواکب الدریۃ مسئلہ فاتحہ خلف الامام ص:90). [2] (دیکھئے سنن دار قطنی 1322 ح1219،المستدرک 2239ح874،السنن الکبری للبیہقی2168ح196-195،جزء القراء ت للبیہقی ص94،92.)

تدلیس کا الزام ثابت ہے لہٰذا اس اثر کے ذکر کرنے سے اجتناب کر رہا ہوں۔ کیونکہ یہ میری شرط پر نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ زہری کا عن سے بیان کرنا محدثین کی شرط پر تو صحیح ہوتا ہے امام دار قطنی، حاکم، بیہقی اور ذہبی، معتمد علیہ حفاظ حدیث، ائمہ دین کی شرط پر تو صحیح ہے اور یہی صحیح بات ہے۔!!!

علائی نے کہا:قبل الائمۃ قولہ عن(جامع التحصیل ص109)یہی بات سبط العجمی نے اپنی کتاب(التبیین:ص ۸۰)میں کہی ہے۔ متقدمین کے منہج کو ثابت کرنے کے لئے دکتور حاتم العونی کی تحریر پیش کی جاتی ہے، حالانکہ دکتور صاحب نے وہ بحث حسن لغیرہ کے متعلق نہیں کی بلکہ عام بحث کی ہے اور متاخرین کا منطقیوں سے متاثر ہونا بھی حسن لغیرہ کے متعلق نہیں کہا بلکہ انھوں نے خود "المنہج المقترح" میں متواتر کی بحث کی مثال دے کر بیان کیا ہے نہ کہ حسن لغیرہ کی مثال دی ہے اور وہ خود حسن لغیرہ کے قائل ہیں۔

دکتور حاتم العونی نے کہا:

العلماء متفقون علی قبول عنعنۃ الزہری ومنہم ابن حجر نفسہ

تمام علماء، محدثین امام زہری کے عن والی روایات کو قبول کرنے پر متفق ہیں اور ان میں ابن حجر خود بھی ہیں۔(التخریج و دراسۃ الاسانید ص77)ہمارے علم کے مطابق حافظ ابن حجر نے کسی بھی حدیث کو زہری کے عن سے بیان کرنے کی وجہ سے ضعیف قرار نہیں دیا، اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ابن حجر کا انھیں تیسرے طبقے میں شمار کرنا مرجوح قول ہے۔

([1]الکواکب الدریۃ مسئلہ فاتحہ خلف الامام ص:90)

انا العبدابو عطاءالمنعم رضاءاللہ بن الحاج خان بادشاہ باجوری حفظہ اللہ

تمت ھذالکتاب بتاریخ:11شوال المکرم1446 یوم الاربعاء9-4-2025اپریل

فہرست

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	**مقدمہ**	2
2	بے بنیاد روایات کی تعداد:	4
3	سند اور دیگر ادیان:	5
4	سند دین میں سے ہے:	6
5	پہلا باب: جرح وتعدیل کے اصول	8
6	جرح وتعدیل کی اہمیت:۔۔۔۔۔۔ جرح کرنا غیبت نہیں:	9
7	موجودہ علماء پر جرح کرنا جائز نہیں:	10
8	شروطِ جارح ومعدل:۔۔۔۔۔۔ جرح وتعدیل میں تعارض اور اس کا حل	11
9	مراتب جرح وتعدیل:	13
10	کیاراوی پر جرح کرنا غیبت کے زمرے میں آتا ہے؟	15

11	عدالت:۔۔۔۔۔۔ عدالت کی شرط راوی کی قبولِ روایت کے لئے ہے، یا بیانِ روایت کے لئے ؟؟	16
12	فسق کی اقسام: فسق کی دو قسمیں ہیں:	17
13	معروف العدالۃ شخص کے بارے میں منفرد جرح کا حکم:	18
14	مدلسین کی طبقاتی تقسیم، ائمہ متاخرین کے اصول، مسئلہ حسن لغیرہ	20
15	ائمہ متقدمین ومتاخرین کا شوشہ، اور ائمہ متاخرین کے اصولوں کی حجیت	21
16	کیا حسن لغیرہ حدیث متقدمین سے ثابت نہیں ؟۔۔۔۔ امام ترمذی رحمہ اللہ ائمہ متقدمین میں سے ہیں:	23
17	سند میں سفیان سے مراد ؟ ۔۔۔۔ جرح کرنے والا اگر خود ضعیف ہے تو اس کی جرح قبول نہیں کی جائے گی:	24
18	راوی کا بدعتی ہونا عدالت کے منافی نہیں:	25
19	جرح وتعدیل لکھنے کا طریقہ:	26
20	بعض راویوں کے ناموں کی تحقیق اور ضبط کا بیان[1]	27
21	دیگر ناموں کا بیان	29
22	دوسرا باب: ائمہ جرح وتعدیل اور ان کی خاص اصطلاحات	34
23	دوسری صدی ہجری کے مشہور ائمہ جرح وتعدیل۔۔۔ تیسری صدی ہجری کے مشہور ائمہ جرح وتعدیل	35
24	چوتھی صدی ہجری کے بعض ائمہ جرح وتعدیل	36
25	ائمہ جرح وتعدیل کی اقسام:۔۔۔۔ بعض ائمہ جرح وتعدیل کی خاص اصطلاحات:	37

38	امام ابن معین کی خاص اصطلاحات:	26
39	امام بخاری کی خاص اصطلاحات:	27
40	کسی راوی پر سکوت:	28
41	امام بخاری کی اخطاء واوہام پر تنقید۔ ۔ تیسرا باب: ائمہ جرح وتعدیل کے حالات اور کتب جرح وتعدیل کا منہج	29
43	تصانیف:۔۔۔۔۔۔امام ابن معین رحمہ اللہ کی کتبِ جرح وتعدیل کا منہج	30
44	۱:التاریخ لیحیی بن معین روایۃ الدوری	31
45	**۲:معرفۃ الرجال لابن معین روایۃ ابی العباس ابن محرز البغدادی**	32
47	**کتب سؤالات کی اہمیت:**	33
48	۲:امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے حالات	34
52	امام احمد بن حنبل کی کتبِ جرح وتعدیل کا منہج	35
53	۳:امام محمد بن اسماعیل البخاری رحمہ اللہ	36
54	۴:اماابوزرعہ رازی رحمہ اللہ	37
55	۵:امام ابن شاہین	38
58	امام بخاری کے جرح وتعدیل کے بعض حکموں پر تنقید:	39
59	الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم کا منہج	40
60	**امام دار قطنی رحمہ اللہ کے حالات اور ان کی کتب کا منہج**	41

42	تصانیف:	62
43	۱ :سنن الدارقطنی:	63
44	۲ :رؤیۃ اللہ:	64
45	۴:جزء ابی طاہر	65
46	۹ :فضائل الصحابۃ...... امام دار قطنی کی کتبِ جر ح وتعدیل کا منہج	66
45	موسوعۃ اقوال الدار قطنی	67
46	امام ابن حبان رحمہ اللہ کی کتبِ رجال کا منہج	68
47	فن رجال پر کتب	69
48	الثقات لابن حبان کا منہج:	70
49	کیاامام ابنِ حبان جرح میں متشدد اور توثیق میں متساہل ہیں ؟	71
50	رواۃ کی ولادت،وفیات رحلات کا علم	72
51	سوالات	75
52	پہلاباب اصول تخریج	77
53	کتبِ تخریج کاذکر:	80
54	دوسراطریقہ:موضوعی اعتبار سے تخریج کرنا:	82
55	تخریج لکھنے کے اصول:	85
56	دورانِ تخریج، تخریج شدہ کتب سے استفادہ کرنا:	86

57	اصولِ تخریج و تحقیق پر کتب:.........اصول تحقیق	88
58	جرح کرنے والا اگر خود ضعیف ہے تو اس کی جرح قبول نہیں کی جائے گی:	90
59	تدلیس کے متعلق چند اہم اصول:	91
60	تیسرا اصول: تدلیسِ کثیر کرنے والا راوی جب عن سے بیان کرے۔	93
61	راویوں کے متعلق چند اہم فوائد:	94
62	ضعیف حدیث کو بیان کرنے کا طریقہ	97
63	راویوں کو ثقہ یا ضعیف ثابت کرتے وقت انصاف کرنا!	98
64	زیادۃ الثقہ کے حکم کا خلاصہ:	99
65	جب جرح و تعدیل میں تعارض آجائے؟	101
66	مرضی کے قواعد بنانا درست نہیں!	102
67	قا عد ہ نمبر:۴ بعض اہل علم نے کہا:‘‘حسن لغیرہ حجت نہیں ’’	103
68	بعض محدثین کی خاص اصطلاحات:	104
69	امام بخا ری کا ‘‘ التا ریخ الکبیر ’’ میں کسی راوی پر سکو ت:	105
70	امام تر مذی کی تصحیح یاتحسینِ حدیث کا اعتبا ر نہیں:	106
71	حدیث حسن لغیرہ کی حجیت کے متعلق اشکالات اور ان کے جوابات	112
72	چوتھا اشکال: کیا ابن قطان کے نزدیک حسن لغیرہ حجت نہیں؟	117
73	پانچواں اشکال: حافظ ابن حجرکے نزدیک حسن لغیرہ	118

	حجت نہیں۔	
74	**عدمِ تقویت کے اسباب:**	119
75	تیسرا سبب: ضعیف راوی کا تفرد	120
76	**ا: محدث یمن مقبل بن ہادی کے نزدیک حسن لغیرہ کی حجیت**	121
77	نواں اشکال: حسن لغیرہ کا حجت ہونا متقدمین سے ثابت نہیں ہے۔	123
78	**محدثین کا اسماعیل بن ابی خالد کے عنعنہ کو قبول کرنا--- منہج متقدمین اور منہج متاخرین!**	124
79	العلماء متفقون علی قبول عنعنۃ الزہری ومنہم ابن حجر نفسہ	126